MAKTABA AL-RISALA
1439 OCEAN AVE. # 4C
BROOKLYN, N.Y. 11230
TEL: (718) 258-3435

زیر سرپرستی
مولانا وحیدالدین خان
صدر اسلامی مرکز

# الرسالہ
Al-Risala

اگر تم اپنے دشمن پر قابو پانا چاہتے ہو تو
سب سے پہلے اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرو

اگست ۱۹۹۳ شمارہ ۲۰۱

Rs 6

# علماء کنونشن

اس وقت شدید ترین ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک میں میل ملاپ
پیدا کی جائے اور لوگوں کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنے نزاعی معاملات
کے دائرہ میں رہ کر حل کریں۔

اس مقصد کے لیے طے کیا گیا ہے کہ بمبئی میں اکتوبر یا نومبر ۱۹۹۳ میں ع
آل انڈیا یک روزہ کنونشن منعقد کیا جائے۔ اس کنونشن کا مقصد یہ ہوگا کہ علماء کے پلی
سے اہل ملک کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً امن اور یک جہتی کا پیغام دیا جائے اور ا
میں ایک عملی پروگرام وضع کیا جائے۔

کنونشن میں شرکت کرنے والے حضرات کو انشاء اللہ بذریعہ ٹرین آمد و ر
کا کرایہ پیش کیا جائے گا اور دوران اجتماع ایک دن کے لیے بمبئی میں قیام و طع
انتظام ہوگا۔

جو لوگ مذکورہ مقصد سے اتفاق رکھتے ہوں اور اس کنونشن میں شرکت
خواہش مند ہوں وہ براہِ کرم بذریعہ ڈاک ہمیں مطلع فرمائیں۔ اس کنونشن میں صر
علماء اور مدارس عربیہ کے فارغین شریک ہوں گے جن کو ہماری طرف سے پیشگ
نامہ وصول ہو جائے۔

الداعی : اسلامک سنٹر


**AL-RISALA (Urdu) Monthly**

zamuddin West Market, New Delhi -110 013, Tel. 4611128, 4697333.
Fax: 91-11-4631891 (Attn: Al-Risala)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# الرسالہ

اردو، ہندی اور انگریزی میں شائع ہونے والا اسلامی مرکز کا ترجمان

## اگست ۱۹۹۳، شمارہ ۲۰۱


| | | | |
|---|---|---|---|
| دنیا اور آخرت | ۴ | بہتر سلوک | ۱۴ |
| قلب سلیم | ۵ | سو برس | ۱۵ |
| اعتدال کا طریقہ | ۶ | مستقبل کا مسئلہ | ۱۶ |
| کتاب کی دنیا | ۷ | حکمت دین | ۱۷ |
| اگلا پیراگراف | ۸ | ذہنی بُعد | ۱۸ |
| اپنی ذات | ۹ | دعوت، اصلاح | ۱۹ |
| دشواریاں زینہ ہیں | ۱۰ | از سر نو ایمان | ۲۰ |
| بدخواہی نہیں | ۱۱ | نیا دور | ۲۱ |
| دو قسم کے انسان | ۱۲ | سفر نامہ ۲ | ۲۸ |
| حق کے مطابق | ۱۳ | خبر نامہ اسلامی مرکز ۹۰ | ۴۷ |



AL-RISALA (Urdu) Monthly
1, Nizamuddin West Market, New Delhi -110 013, Tel. 4611128, 4697333
Fax: 91-11-4631891 (Attn: Al-Risala)
Single Copy Rs. 6 ☐ Annual Subscription Rs. 70/$25 (Air-mail)

# دنیا اور آخرت

دنیا میں ہر آدمی کی زندگی دو مرحلوں میں بٹی ہوئی ہے ——— تیاری، اور نتیجۂ تیاری۔ آدمی اپنی زندگی کے پہلے مرحلہ میں تیاری کرتا ہے، اور اپنی زندگی کے دوسرے مرحلہ میں اس کا پھل پاتا ہے۔ یہی حال ہر آدمی کا ہے، خواہ وہ کسان ہو یا تاجر، خواہ وہ ڈاکٹر ہو یا انجینیر، خواہ وہ لیڈر ہو یا عہدے دار۔ ہر آدمی کا معاملہ یہی ہے۔ اس میں ایک اور دوسرے کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو دو مرحلوں میں تقسیم کیا ہے۔ تاکہ ہر آدمی اپنے ذاتی تجربہ سے اس خدائی منصوبہ کو سمجھ سکے جس کے تحت تمام انسانوں کو پیدا کیا گیا ہے۔ یہ دنیا کے محدود تجربہ کے ذریعہ اس وسیع تر تجربہ کو بتاتا ہے جو دنیا اور آخرت کی صورت میں ہر آدمی کو پیش آنے والا ہے۔

یہ دنیا جس کے اندر ہم پیدا ہوئے ہیں، یہ ہماری بنائی ہوئی نہیں ہے، اور نہ ہم اس کے مالک ہیں۔ اس دنیا کو بنانے والا خدا ہے۔ اور وہی بلا شریک اس کا مالک ہے۔ ایسی حالت میں انتہائی ضروری ہے کہ ہر شخص جو اس دنیا میں ہے وہ سب سے پہلے یہ جانے کہ اس دنیا کے بارہ میں اس کے خالق اور مالک کا منصوبہ کیا ہے۔ اس منصوبہ سے مطابقت کر کے ہی ہم کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اس منصوبہ سے مطابقت نہ کرنا اپنے آپ کو جان بوجھ کر تباہی کی طرف لے جانا ہے۔

خدا کے منصوبہ کے مطابق، یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ یہاں آدمی کو رکھ کر یہ دیکھا جا رہا ہے کہ کون شخص کیسا ثابت ہوتا ہے۔ تاکہ اس کے مطابق اس کے ابدی انجام کا فیصلہ کیا جائے۔

جو شخص بھی اس دنیا میں آتا ہے، اس کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ خدا کی خدائی کا اعتراف کرے۔ وہ خدا کا شکر کرنے والا اور اس کی تابعداری کرنے والا بن جائے۔ وہ ہر اعتبار سے صرف ایک خدا کو اپنا بڑا اقرار دے۔ وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ اس کے آگے جھک جائے۔ آدمی کا دوسرا فریضہ یہ ہے کہ وہ دوسروں سے تعلق کے دوران ان حدود کا پابند رہے جو خدا نے اس کے لیے مقرر کیا ہے۔ وہ ہر معاملہ میں انصاف اور خیر خواہی کے اصول پر کاربند رہے۔

# قلب سلیم

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ آخرت میں آدمی کو جو چیز نفع دے گی، وہ صرف قلب سلیم (الشعراء ۸۹) ہے۔ وہی لوگ جنت میں داخل کیے جائیں گے جو قلب سلیم لے کر وہاں پہنچیں۔ "قلب سلیم" کی تشریح مختلف الفاظ میں کی گئی ہے مگر سب کا مدعا ایک ہے۔ یہاں ہم تفسیر ابن کثیر کا متعلقہ حصہ نقل کرتے ہیں:

(الا من اتی اللہ بقلب سلیم) أی سالم من الدنس والشرك۔ قال ابن سیرین القلب السلیم ان یعلم ان اللہ حق وان الساعة آتیة لاریب فیها وان اللہ یبعث من فی القبور۔ وقال ابن عباس (الا من اتی اللہ بقلب سلیم) القلب السلیم ان یشهد ان لا الہ الا اللہ۔ وقال مجاهد والحسن وغیرهما (بقلب سلیم) یعنی من الشرك۔ وقال سعید بن المسیب القلب السلیم هو القلب الصحیح وهو قلب المومن لأن قلب الکافر والمنافق مریض۔ قال ابو عثمان النیسابوری هو القلب السالم من البدعة المطمئن الی السنة (۳۲۹/۳)

مگر وہ جو قلب سلیم لے کر آیا، یعنی گندگی اور شرک سے پاک دل۔ ابن سیرین نے کہا کہ قلب کا سلیم ہونا یہ ہے کہ وہ جانے کہ اللہ حق ہے اور قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔ اور اللہ ضرور ان کو اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں۔ ابن عباس نے کہا کہ قلب سلیم یہ ہے کہ وہ گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ مجاہد حسن اور دوسروں نے کہا کہ قلب سلیم کا مطلب شرک سے پاک دل ہے۔ سعید بن مسیب نے کہا کہ قلب سلیم سے مراد قلب صحیح ہے اور وہ مومن کا دل ہے، کیونکہ کافر اور منافق کا دل مریض ہوتا ہے۔ ابو عثمان نیساپوری نے کہا کہ اس سے مراد وہ دل ہے جو بدعت سے پاک اور سنت پر مطمئن ہو۔

جنت میں داخلہ کا معیار ظاہری اعمال کی مقدار نہیں ہے بلکہ آدمی کی اندرونی کیفیت ہے۔ قیامت میں اصل چیز جو دیکھی جائے گی وہ یہ کہ آدمی کس قسم کی شخصیت لے کر وہاں پہنچا ہے۔ جو لوگ ربانی شخصیت لے کر وہاں پہنچیں گے، وہ جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ یعنی وہ لوگ جو اپنے اندر معرفت کی روشنی لیے ہوئے ہوں۔ جو نفسیاتی پیچیدگیوں سے خالی ہوں۔ جو منفی رجحانات سے پاک ہوں جنھوں نے دنیا میں فطرت خداوندی کی سطح پر جینے کا ثبوت دیا ہو۔

# اعتدال کا طریقہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ما احسن القصد فی الغنی ما احسن القصد فی الفقر ما احسن القصد فی العبادة (کیا ہی اچھی ہے میانہ روی دولت مندی میں، کیا ہی اچھی ہے میانہ روی مفلسی میں، کیا ہی اچھی ہے میانہ روی عبادت میں) ایک اور روایت کے مطابق آپ نے فرمایا : القصدَ القصدَ تبلغوا (میانہ روی، میانہ روی، تم منزل پر پہنچ جاؤ گے)

قرآن میں ہے سفراً قاصداً (التوبہ ۴۲) یعنی بے مشقت سفر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں ایک صحابی کہتے ہیں : کانت صلاتُہ قصداً و خطبتُہ قصداً (آپ کی نماز معتدل ہوتی تھی اور آپ کا خطبہ بھی معتدل ہوتا تھا) لسان العرب میں قصد کی تشریح کرتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ درمیانی عمل جس میں نہ افراط ہو اور نہ تفریط (لسان العرب ۳/۳۵۴)

مومن کا طریقہ قصد کا طریقہ ہے، انفرادی معاملات میں بھی اور اجتماعی معاملات میں بھی۔ وہ ہمیشہ معتدل انداز اختیار کرتا ہے، خواہ وہ ایک طرح کی صورت حال میں ہو یا دوسری طرح کی صورت حال میں۔

موجودہ دنیا امتحان کی دنیا ہے۔ اس لیے یہاں کسی فرد یا قوم کی حالت کبھی یکساں نہیں رہ سکتی۔ یہاں انسان کے لیے کبھی اچھے حالات ہوتے ہیں اور کبھی برے حالات۔ اس کو کبھی پرسکون ماحول میں رہنا ہوتا ہے اور کبھی اشتعال انگیز ماحول میں۔ وہ لوگوں کے درمیان کبھی طاقتور ہوتا ہے اور کبھی کمزور۔ اس کی زندگی کبھی اپنوں کے درمیان گزرتی ہے اور کبھی غیروں کے درمیان۔ اس کو کبھی دوستوں کے ساتھ سابقہ پیش آتا ہے اور کبھی دشمنوں کے ساتھ۔

مگر ایمان اس کو ایک تھما ہوا انسان بنا دیتا ہے۔ وہ ہر حال میں اعتدال پر قائم رہتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو اللہ کی رسی میں باندھے رہتا ہے۔ اہل ایمان اہل اعتدال ہوتے ہیں۔ حالات کا اتار چڑھاؤ ان کے سکون کو برہم نہیں کرتا۔ ان کے خود اپنے مقرر اصول ان کی زندگی کا رخ متعین کرتے ہیں نہ کہ بیرونی اشخاص کے چھیڑے ہوئے مسائل۔

# کتاب کی دنیا

جس آدمی کے پاس کتاب ہے وہ اکیلا نہیں ہے ـــــ اکیلا شخص وہ ہے جس کے پاس ذہنی مشغولیت کے لئے کچھ نہ ہو۔ کتاب آدمی کو بہترین ذہنی مشغولیت دیدیتی ہے۔ پھر جو آدمی کتاب پڑھے وہ اکیلا کیسے رہے گا۔

کتاب کیا ہے۔ وہ صاحب کتاب کے مطالعہ اور تجربہ کا نچوڑ ہے۔ ہر کتاب گویا ایک خاموش آدمی ہے۔ جب ہم کتاب پڑھتے ہیں تو گویا ہم کسی آدمی کے ساتھ خیالات کے تبادلہ میں مصروف ہوتے ہیں۔ ایک کتاب پڑھنا ایک آدمی کی ہم نشینی ہے اور بہت سی کتابیں پڑھنا بہت سے آدمیوں کی ہم نشینی۔

ایک آدمی محدود مدت تک زندگی گزار کر اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔ اگر کتاب کا طریقہ نہ ہو تو گزرے ہوئے آدمیوں کے بارہ میں جاننا ہمارے لئے ناممکن ہو جائے۔ مگر کتاب کی صورت میں آدمی کے بعد بھی اس کا ریکارڈ موجود رہتا ہے۔ کتاب کے ذریعہ یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ آپ ایک مقام پر رہ کر ساری دنیا کے لوگوں سے مل سکیں۔ آپ ایک زمانہ میں ہوتے ہوئے ہر زمانہ کے لوگوں کے خیالات سے فائدہ اٹھائیں۔

کتاب کا مطالعہ آدمی کے علم کو بڑھاتا ہے۔ اس کے تجربات کو شخصی سطح سے بڑھا کر عمومی انسانیت کی سطح تک پہنچا دیتا ہے۔ کتابوں کی لائبریری گویا عالمی انسانی اجتماع ہے۔ اس اجتماع گاہ میں داخل ہو کر آپ کسی بھی وقت کسی بھی آدمی کی بات سن سکتے ہیں، کسی بھی جگہ کسی بھی آدمی سے ملاقات کر سکتے ہیں۔

کتاب کے طریقہ نے اس بات کو ممکن بنا دیا ہے کہ آپ سفر کئے بغیر دوسروں سے واقفیت حاصل کریں اور اسی طرح خود اپنے سے دوسروں کو واقف کرائیں۔ ملاقات کا سب سے بڑا کمرہ وہ ہے جہاں کتابیں ہوں، واقفیت کا سب سے بڑا ذریعہ اس کے پاس ہے جو کتابوں سے استفادہ کرنے میں لگا ہوا ہو۔ کتاب بہترین دماغوں کا ریکارڈ ہے۔ کتاب اعلیٰ انسانوں کی نمائندہ ہے۔ کتاب علم کا خزانہ ہے۔ اور بلاشبہ اس دنیا میں علم کے خزانہ سے بڑی کوئی چیز نہیں۔

الرسالہ اگست ۱۹۹۳

# اگلا پیراگراف

زندگی ایک طویل اکتا دینے والی کہانی ہے۔ اس کہانی کو صرف وہی شخص کامیابی کے ساتھ پڑھ سکتا ہے جس کی توجہ ہمیشہ کہانی کے اگلے پیراگراف پر لگی رہے ـــــ ہر آدمی کی زندگی اسی قسم کی ایک کہانی ہے، خواہ وہ چھوٹا آدمی ہو یا بڑا آدمی۔ خواہ وہ معمولی حالات میں زندگی گزار رہا ہو یا اونچے اور شاندار حالات میں۔

حقیقت یہ ہے کہ زندگی ایک تلخ تجربہ کا نام ہے۔ کھوئے ہوئے مواقع کا افسوس، گزرے ہوئے حادثات کی تلخیاں، لوگوں کی طرف سے پیش آنے والے برے سلوک کی یاد، اپنی کمیوں اور تنگیوں کی شکایت، غرض بے شمار چیزیں ہیں جو آدمی کی سوچ کو منفی رخ کی طرف لے جاتی ہیں۔ آدمی اگر ان باتوں کا اثر لے تو اس کی زندگی ٹھٹھر کر رہ جائے گی۔

ایسی حالت میں عقل مندی یہ ہے کہ آدمی پیچھے دیکھنے کے بجائے آگے کی طرف دیکھے۔ وہ گزرے ہوئے دنوں کے بجائے آنے والے دن پر اپنی نظریں جمائے رکھے۔

ہر آدمی اپنے قول و عمل سے اپنی زندگی کی کہانی لکھ رہا ہے۔ مگر اس کو خود نہیں معلوم کہ اس کہانی میں کون سے مراحل پیش آئیں گے، اور نہ کوئی شخص یہ جانتا کہ یہ کہانی کہاں جا کر ختم ہوگی۔ اس لئے لازم ہے کہ آدمی ہر سامنے آنے والے مرحلہ کا استقبال کرے۔ کہانی کے اگلے ابواب لکھنے کی کوشش میں وہ آگے ہی بڑھتا چلا جائے۔

زندگی میں اصل اہمیت یہ نہیں ہے کہ اس نے کیا پایا۔ اصل اہمیت کی بات یہ ہے کہ وہ کیسے جیا۔ یہ ممکن ہے کہ ایک کم آمدنی والا شخص اچھی زندگی گزارے اور ایک دولت مند آدمی بری زندگی گزار کر مر جائے۔ ایک جاہل آدمی اپنے معاملات میں زیادہ سمجھ داری کا ثبوت دے اور ایک پڑھا لکھا آدمی اپنے معاملات کو سلجھانے میں بے سلیقہ ثابت ہو۔

یہ نہ دیکھئے کہ آپ زندگی میں کیا حاصل کر رہے ہیں۔ یہ دیکھئے کہ آپ زندگی کس طرح گزار رہے ہیں۔ جس شخص کو اچھی زندگی گزارنا آ جائے وہی وہ شخص ہے جو دنیا میں کامیاب رہا۔ وہی وہ شخص ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے مستقبل تک پہنچایا۔

# اپنی ذات

جو شخص اپنے آپ پر فتح حاصل کرلے ، اس کے لئے دوسروں پر فتح حاصل کرنا کچھ مشکل نہیں —— آدمی اپنی قسمت آپ بناتا ہے۔ اپنی کمزوریوں پر غالب آنے کا نام کامیابی ہے اور اپنی کمزوریوں سے مغلوب ہوجانے کا نام ناکامی۔

ایک شخص کے اندر خود پسندی ہو تو اس کے گرد خوشامدی قسم کے لوگ جمع ہوجائیں گے۔ اور خوشامدی لوگ بلاشبہ کسی آدمی کا سب سے زیادہ برا سرمایہ ہیں۔ ایک شخص عجلت پسند ہو تو وہ ایسے موقع پر گھبرا اٹھے گا جب کہ اسے آنے والے وقت کا انتظار کرنا چاہئے ، نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ غیر ضروری طور پر آنے والی کامیابی سے محروم ہوجائے گا۔ ایک شخص صرف اپنے آپ کو جانتا ہو تو وہ لوگوں کے ساتھ درست معاملہ نہ کرسکے گا، جب کہ لوگوں کے درمیان کامیاب زندگی گزارنے کے لئے لوگوں کے ساتھ درست معاملہ کرنا ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کامیابی کے اسباب آدمی کے اپنے اندر ہوتے ہیں۔ اسی طرح ناکامی کے اسباب بھی خود آدمی کے اندر ہی پائے جاتے ہیں۔ آدمی کو چاہئے کہ سب سے پہلے وہ اپنا جائزہ لے۔ ہر پسپائی کا سبب خود اپنے اندر تلاش کرے۔ جو چیز آپ کے اندر ہو اس کو آپ باہر تلاش کرکے نہیں پاسکتے۔ جو نتیجہ اپنے آپ پر عمل کرکے ملتا ہو ، اس کو آپ دوسروں پر زور آزمائی کرکے حاصل نہیں کرسکتے۔

آدمی کے اندر بیک وقت دو قسم کی صلاحیتیں ہیں۔ اس کے اندر اعتراف کا مادہ ہے اور اسی کے ساتھ بے اعترافی کی خواہش بھی۔ اس کے اندر شکر کا جذبہ بھی ہے اور ناشکری کی نفسیات بھی۔ اس کے اندر تواضع کا مزاج بھی ہے اور گھمنڈ کا مزاج بھی۔ اس کے اندر امانت داری کا مادہ بھی ہے اور حق تلفی کا مادہ بھی۔ وہ دوسرے کی ترقی پر خوش ہونا بھی جانتا ہے اور دوسرے کی ترقی پر حسد کرنا بھی۔

اس دنیا میں جیت اس کے لئے ہے جو اپنے اندر کی بری خواہشوں کے مقابلہ میں جیت حاصل کرے۔ اور ہار اس کے لئے ہے جو اپنے اندر کی بری خواہشوں کے مقابلہ میں ہار جائے۔

# دشواریاں زینہ ہیں

انسان قدرت کا چھپا ہوا خزانہ ہے۔ مشکلات کی ٹھوکریں اس خزانہ کو اندر سے باہر لے آتی ہیں —— پوری تاریخ کا تجربہ ہے کہ وہی لوگ سب سے زیادہ ابھرے جنھیں سب سے زیادہ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔

بیج جب پھٹتا ہے تو اس کے اندر سے عظیم درخت برآمد ہوتا ہے۔ یہی انسان کی شخصیت کا حال بھی ہے۔ انسان کی شخصیت پر جب حالات کا دباؤ پڑتا ہے تو اس کی اندرونی صلاحیتیں ابھرتی ہیں۔ جو چیز پہلے "بیج" کے روپ میں چھپی ہوئی تھی، وہ "درخت" کی صورت میں ظاہر ہو جاتی ہے۔

انسان دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو مشکل کو صرف مشکل سمجھیں۔ دوسرے وہ جو مشکل کو چیلنج کی نظر سے دیکھیں۔ مشکل کو مشکل سمجھنا مایوسی کا ذہن پیدا کرتا ہے۔ اور مشکل کو چیلنج سمجھنے سے یہ ذہن پیدا ہوتا ہے کہ اس کا سامنا کیا جائے۔

اگر آپ مشکل کو صرف مشکل سمجھیں تو آپ کی موجود صلاحیتیں بھی مرجھا جائیں گی۔ آپ کی سوچنے کی طاقت مفلوج ہو جائے گی۔ مگر جب آپ مشکل کو چیلنج سمجھیں تو آپ کے اندر نئی ہمت جاگتی ہے۔ آپ کا ذہن پہلے سے زیادہ کام کرنے لگتا ہے۔ آپ کو نئی نئی تدبیریں سوجھتی ہیں جن کو استعمال کر کے آپ آگے بڑھ سکیں۔

جس آدمی کو صرف آسانیاں پیش آئیں وہ محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کی فکر میں سطحیت آجاتی ہے۔ مگر جس آدمی کو مصیبتوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے وہ لامحدود انسان بن جاتا ہے۔ اس کی سوچ میں گہرائی پیدا ہو جاتی ہے۔

دشواری ایک معلم ہے۔ دشواری سے آدمی ان باتوں کو جان لیتا ہے جن کو کسی درس گاہ میں پڑھایا نہیں جاسکتا۔ دشواری آدمی کے علم میں تجربہ کا اضافہ کرتی ہے۔ دشواری آدمی کی سنی یا پڑھی ہوئی بات کو اس کی ذاتی دریافت بنا دیتی ہے۔

زندگی کی دشواریاں زندگی کے زینے ہیں۔ وہ اس لئے ہیں تاکہ آپ کو نیچے سے اوپر لے جائیں۔ تاکہ وہ آپ کے چھپے ہوئے خزانہ کا آپ کو مالک بنا دیں۔

# بدخواہی نہیں

کوئی بھی شخص اتنا طاقت ور نہیں کہ وہ اپنا برا کئے بغیر دوسرے کا برا کر سکے —— ہر برائی سب سے پہلے اپنے لئے برائی ہے۔ اس کے بعد ہی وہ کسی دوسرے کے لئے برائی بن سکتی ہے۔

آپ کسی کی ترقی کو روکنا چاہیں تو سب سے پہلے اپنے اندر حسد پیدا کرنا ہوگا۔ اپنے اندر حسد کی آگ بھڑکانے کے بعد ہی آپ دوسرے کی ترقی کے خلاف کوئی سازش کر سکتے ہیں۔ آپ کسی کو مارنا چاہیں تو سب سے پہلے اپنے سینہ کو تخریب کاری کا اڈہ بنانا پڑے گا۔ اس کے بعد ہی آپ کسی کو اپنے تخریبی منصوبہ کا نشانہ بنا سکتے ہیں۔

اس دنیا میں سب سے بڑی برائی دوسرے کا برا چاہنا ہے۔ کیوں کہ آپ خواہ دوسرے کا برا نہ کر سکیں، مگر اپنا برا یقیناً آپ کر لیتے ہیں۔ دوسرے کو تباہ کرنا کسی آدمی کے اختیار میں نہیں۔ مگر جب کوئی شخص کسی دوسرے کی تباہی کا نقشہ بناتا ہے تو وہ اپنے آپ کو یقیناً تباہ کر لیتا ہے۔

اگر آپ کسی دوسرے کو نقصان پہنچانا چاہیں تو یہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ آپ دوسرے کے خلاف سوچیں۔ اس کے خلاف نقصان کی تدبیریں کریں۔ اپنی کوششوں کو منفی رخ پر چلانا شروع کر دیں۔ یہ تمام چیزیں اپنی تباہی کا سامان ہیں۔ یہ دوسرے کی بدخواہی کی خاطر خود اپنی ذات کا بدخواہ بننا ہے۔

اگر آپ دوسرے کے خلاف اپنے اقدام میں کامیاب ہو جائیں تب بھی دوسرے کو نقصان پہنچانے کے لئے آپ خود اپنے جان و مال کا بہت سا نقصان کرتے ہیں۔ دوسرے کو زخم پہنچانے کی کوشش میں خود اپنے آپ کو بھی زخمی کر چکے ہوتے ہیں۔ پھر ایسی کارروائی سے کیا فائدہ۔

دوسرے کی بدخواہی صرف دوسرے کی بدخواہی نہیں، اسی کے ساتھ وہ خود اپنی بدخواہی بھی ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ اگر وہ دوسرے کا خیر خواہ نہیں بن سکتا تو اپنی ذات کا خیر خواہ بنے۔ وہ دوسرے کو دینا نہیں چاہتا تو کم از کم اپنے آپ کو محروم نہ کرے۔ وہ دوسرے کے لئے جینا نہیں چاہتا تو اپنے آپ کے لئے جئے۔

# دو قسم کے انسان

منفی نفسیات میں جینے والا انسان تاریخ کا معمول ہوتا ہے ، اور ایجابی نفسیات میں جینے والا انسان تاریخ کا عامل ـــــ اول الذکر انسان کو تاریخ کے حالات بناتے ہیں۔ ثانی الذکر انسان وہ ہے جو حالات سے اوپر اٹھ کر سوچتا ہے ، وہ خود ایک نئی تاریخ بناتا ہے۔

دنیا میں ہمیشہ ناخوشگوار حالات ہوتے ہیں۔ ہمیشہ ایسے اسباب پیش آتے ہیں کہ ایک کو دوسرے سے شکایت پیدا ہو۔ ایسے موقع پر جو لوگ ردعمل کی نفسیات میں مبتلا ہو جائیں ، وہ گویا تاریخ کا معمول بن گئے۔ وہ اپنے آس پاس کے حالات کا شکار ہو کر رہ گئے۔ ایسے لوگ ہمیشہ احتجاجی کارروائیوں میں مشغول رہتے ہیں۔ وہ کوئی مثبت کارنامہ انجام نہیں دے سکتے۔

اس کے برعکس انسان وہ ہے جو حالات سے اوپر اٹھ کر سوچے۔ جو ردعمل کے بغیر خود اپنی آزادانہ سوچ کے تحت اپنی رائے بنائے۔ ایسا انسان گویا تاریخ کے اوپر ہے۔ وہ اس حیثیت میں ہے کہ دنیا سے متاثر ہونے کے بجائے خود دنیا کی صورت گری کرے۔ وہ تاریخ کا عامل بن جائے۔

تمام حیوانات تاریخ کی پیداوار ہیں۔ مگر انسان کا مقام یہ ہے کہ وہ اپنی جدوجہد سے تاریخ بنائے۔ وہ خود اپنی ذات سے تاریخ ساز بن جائے۔

منفی نفسیات کسی انسان کے لئے قاتل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جو آدمی منفی نفسیات میں مبتلا ہوا وہ گویا اپنے حالات کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اس کے برعکس جو شخص اپنے آپ کو منفی رجحانات اور ردِّ عمل کی نفسیات سے بچائے ، وہ گویا خارجی دنیا کے حملوں کے باوجود زندہ رہا۔ اس نے اپنی ہستی کو فنا ہونے سے بچا لیا۔

منفی نفسیات کی بنیاد آدمی کے باہر ہوتی ہے ، اور مثبت نفسیات کی بنیاد آدمی کے اندر۔ منفی نفسیات والا انسان دوسروں کے اوپر کھڑا ہوتا ہے ، اور مثبت نفسیات والا انسان خود اپنی ذات پر۔ یہی واقعہ یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ دونوں میں سے کون ہے جس کو اعلیٰ انسان کا لقب دیا جا سکے۔ سب سے زیادہ محروم اور نادان وہ شخص ہے جس کے لئے اس دنیا میں عامل بننے کا موقع تھا ، اس کے باوجود وہ صرف معمول بن کر رہ گیا۔

# حق کے مطابق

اپنے حق سے زیادہ چاہنا اپنے آپ کو اپنے واقعی حق سے بھی محروم کر لینا ہے ــــــ جب آدمی صرف اپنے حق کا طالب ہو تو پورا نظام عالم اس کا ساتھ دے رہا ہوتا ہے، اور جب وہ اپنے حق سے زیادہ کا طالب بن جائے تو نظام عالم اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلا آدمی کامیاب ہوتا ہے، اور دوسرا آدمی ناکام۔

جب آپ اپنے حق کے بقدر چاہتے ہیں تو آپ وہ چیز چاہ رہے ہوتے ہیں جو واقعۃً آپ کی ہے، جو از روئے انصاف آپ ہی کو ملنا چاہئے۔ مگر جب آپ اپنے واقعی حق سے زیادہ چاہیں تو گویا آپ ایسی چیز چاہ رہے ہیں جو از روئے انصاف آپ کی چیز نہیں ہے، بلکہ دوسرے کی چیز ہے۔ پھر دوسرا شخص کیوں آپ کو اپنی چیز دینے پر راضی ہو جائے گا۔

جب بھی آدمی اپنے حق سے زیادہ چاہے تو فوراً اس کا ٹکراؤ دوسروں سے شروع ہو جاتا ہے۔ دوسرے لوگ اس کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اب کش مکش اور ضد اور مزاحمت وجود میں آتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اصل سے زیادہ کی طلب میں اصل کو بھی کھو بیٹھتا ہے۔

اپنے حق سے زیادہ کی طلب کرتے ہی یہ ہوتا ہے کہ آدمی تضاد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے حصہ کی چیز لینے کے لئے ایک دلیل دیتا ہے، اور دوسرے کے حصہ کی چیز پر قبضہ کرنے کے لئے دوسری دلیل استعمال کرتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے مقدمہ کو خود ہی کمزور کر لیتا ہے۔ وہ اپنی نفی آپ کر دیتا ہے۔ دو قسم کی دلیلوں سے وہ ثابت کرتا ہے کہ پہلی چیز اگر اس کی ہے تو دوسری چیز اس کی نہیں ہے، اور اگر دوسری چیز اس کی ہے تو پہلی چیز اس کی نہیں ہو سکتی۔

ایسے آدمی کے اوپر وہ مثال صادق آتی ہے کہ جو شخص دو خرگوشوں کے پیچھے دوڑے، وہ ایک کو بھی نہیں پکڑ سکتا۔ اسی طرح جو شخص اپنے اصل حق کے ساتھ مزید کا طالب بنے، وہ اصل کو بھی کھو دے گا اور اسی کے ساتھ مزید کو بھی۔

پوری انسانی تاریخ، ایک اعتبار سے، اسی حقیقت کا عملی اظہار ہے۔

# بہتر سلوک

برے سلوک کا بہترین جواب اچھا سلوک ہے۔ جہالت کا بہترین حل اس کو نظر انداز کر دینا ہے —— اسی روش کا نام اعلیٰ اخلاق ہے۔ اور اعلیٰ اخلاق سے زیادہ بہتر اور کارگر چیز اس دنیا میں اور کوئی نہیں۔

ایک شخص آپ کے ساتھ برا سلوک کرے، اس کے جواب میں آپ بھی اس کے ساتھ برا سلوک کریں تو دونوں کا معاملہ برابر ہو گیا۔ ایسی حالت میں دوسرا شخص اپنے آپ کو برا نہیں سمجھے گا۔ وہ صرف یہ کرے گا کہ آپ کو برا سمجھنے لگے۔ یا کم از کم یہ کہ جیسا میں ہوں، ویسا ہی میرا حریف بھی ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

مگر جب آپ برا سلوک کرنے والے کے ساتھ اچھا سلوک کریں تو فوراً اس کی ساری توجہ خود اپنی طرف لگ جاتی ہے۔ اب آپ اس کو اس کے ضمیر کے سامنے کھڑا کر دیتے ہیں جو اس سے یہ کہنا شروع کرتا ہے کہ صرف تم برے ہو، اس کی دو طرفہ سوچ اب یک طرفہ بن جاتی ہے۔

برا کرنے والے کے ساتھ برا کرنا، اس کو یہ موقع دینا ہے کہ وہ اپنی برائی کو بھول کر صرف دوسرے کی برائی کو یاد رکھے۔ اس کے برعکس برا کرنے والے کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اس سے یہ موقع چھین لینا ہے کہ وہ دوسرے کو برا بتا کر مطمئن ہو سکے۔ اب وہ مجبور ہو جاتا ہے کہ صرف اپنے آپ کو برا سمجھے۔

برائی کرنے والے کے ساتھ برائی کرنا اس کو زندگی دینا ہے۔ اور برائی کرنے والے کے ساتھ اچھا سلوک کرنا یا کم از کم نظر انداز کر دینا اس کو خود اسی کے ہاتھوں ہلاک کرنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی کی اس سے بڑی کوئی اور سزا نہیں ہو سکتی کہ خود اس کی ضمیر کی عدالت سے اس کے خلاف فیصلہ دلایا جائے، اور برائی کے جواب میں اچھائی کرنا کسی کو اسی قسم کی سزا دینا ہے۔

اگر آپ کو غصہ اتارنا ہے تو برائی کرنے والے کے ساتھ برائی کیجئے۔ اور اگر آپ برائی کرنے والے کو سزا دینا چاہتے ہیں تو اس کی برائی کے جواب میں اس کے ساتھ اچھائی کیجئے۔ ایسے آدمی کی اس سے زیادہ سخت سزا اور کوئی نہیں۔

# سو برس

سو سال کا سفر کبھی اس طرح طے نہیں ہوتا کہ ہم اپنے کاغذی کیلنڈر میں سو سال آگے کا ہندسہ لکھ لیں ـــــ جو لوگ حقیقت کے اعتبار سے پیچھے ہوں وہ بڑے بڑے لفظ بول کر آگے نہیں ہو سکتے۔ آگے ہونے کے لئے حقائق کو اپنے مطابق کرنا پڑے گا۔

زمین سورج کے گرد اپنے لمبے مدار پر ایک سو بار گھومتی ہے تب اس کی سو سالہ تاریخ پوری ہوتی ہے۔ یہی انسان کا معاملہ بھی ہے۔ انسان کو بھی اگر کسی دور کی منزل تک پہنچنا ہے تو اس کو لمبی مدت تک اس کی طرف سفر کرنا ہوگا، اس کے بعد ہی وہ اپنی مطلوبہ منزل پر پہنچ سکتا ہے۔

ایک شخص سماج کے اندر اونچا مقام حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو پہلے ضروری جدوجہد کر کے اس کے تمام اسباب جمع کرنے ہوں گے، اس کے بعد ہی اس کو واقعی معنوں میں اونچا درجہ حاصل ہو سکتا ہے۔ ایک قوم کو ترقی یافتہ قوم بننا ہے تو پہلے اس کو تیاری کے مرحلہ سے گزرنا ہوگا۔ ضروری تیاری کے مرحلوں کو پورا کئے بغیر وہ ایک ترقی یافتہ قوم نہیں بن سکتی۔

ترقی اور کامیابی ہمیشہ کسی تیاری کا نتیجہ ہوتی ہے۔ پہلے تیاری کی جاتی ہے، اس کے بعد اس کا نتیجہ سامنے آتا ہے۔ اگر آپ چاہیں کہ تیاری کے بغیر اس کا نتیجہ پالیں تو موجودہ دنیا میں یہ بالکل ناممکن ہے۔ آپ نتیجہ سے اپنی زندگی کا سفر شروع نہیں کر سکتے۔ زندگی کا سفر جب بھی شروع ہوگا تو وہ تیاری سے شروع ہوگا، ورنہ کبھی شروع ہی نہ ہوگا۔

لوگ کسی کی ترقی کو دیکھ کر حسد کیوں کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تیاری کو حذف کر کے نتیجہ کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس طرح جب انھیں نتیجہ نہیں ملتا تو وہ دوسرے شخص سے جلن میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حالاں کہ اگر وہ دوسرے شخص کی طرح ضروری تیاری کرتے تو یقیناً وہ بھی اسی نتیجہ کو پالیتے جس کو دوسرے شخص نے پایا ہے۔

اگر آپ سو سال کا سفر طے کرنا چاہتے ہیں تب بھی آپ کو ایک ایک دن کی رفتار سے آگے بڑھنا ہوگا۔ کاغذ کے اوپر آپ کوئی بھی اپنا دل پسند لفظ لکھ سکتے ہیں۔ مگر حقیقت کی دنیا کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کے لئے حقیقی جدوجہد کے سوا کوئی اور صورت نہیں۔

# مستقبل کا مسئلہ

قل لا املك لنفسی نفعا وضرا الا ماشاء الله ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء (الاعراف ۱۸۸)

اے پیغمبر کہہ دو کہ میں اپنے لیے نہ نفع کا مالک ہوں اور نہ نقصان کا مگر جو اللہ چاہے۔ اور اگر میں غیب کو جانتا تو میں بہت سے فائدے حاصل کر لیتا اور مجھ کو کوئی نقصان نہ پہنچتا۔

اس آیت کا ایک ابتدائی مفہوم ہے جو اس کے سیاق و سباق سے متعین ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس آیت میں ایک کلی اصول بھی بتا دیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ اس دنیا میں فائدہ اور نقصان کا تعلق تمام تر مستقبل بینی سے ہے۔ جو آدمی حال میں مستقبل کو دیکھے، جو آج میں کل کو پالے وہی آدمی یہاں کوئی بڑی کامیابی حاصل کرے گا۔ اس کے برعکس جو شخص مستقبل بینی کے اس امتحان میں پورا نہ اترے وہ یہاں کوئی بڑی کامیابی بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

غور کیجئے تو یہ کلیہ تمام امور کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ تجارت کا معاملہ ہو یا سیاست کا، علمی ترقی کا میدان ہو یا کسی اور میدان میں آگے بڑھنے کا، ہر جگہ مستقبل کی رعایت کرنے والا فائدہ اٹھاتا ہے، اور جو شخص مستقبل کی رعایت نہ کر سکے وہ گھاٹے میں رہتا ہے۔ موجودہ دنیا میں تمام نقصانات آدمی کی اسی کوتاہی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

کوئی آدمی مستقبل (یا غیب) کو نہیں جانتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دنیا میں ہر آدمی بار بار نقصان اٹھاتا ہے۔ آدمی کو یہ تجربہ اس لیے کرایا جاتا ہے کہ آدمی آخرت کی اہمیت کو محسوس کر سکے۔ آدمی جب ایک نقصان سے دوچار ہو تو وہ مستقبل کی اہمیت کو سمجھے۔ وہ سوچے کہ زندگی کی کامیابی کا راز "مستقبل" کی رعایت میں چھپا ہوا ہے، اس دنیا میں بھی اور بعد کو آنے والی دنیا میں بھی۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کا یہ نظام اس لیے بنایا ہے تاکہ آخرت کے بارہ میں آدمی کے احساس کو جگایا جائے۔ تاکہ آدمی مستقبل کی رعایت کے بارہ میں نہایت حساس ہو جائے۔ یہ عقیدہ آدمی کو حقیقت پسندانہ زندگی گزارنے کا سبق دیتا ہے۔

# حکمت دین

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔

اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا کہ ان میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

یہ آیت قرآن میں معمولی لفظی فرق کے ساتھ دو جگہ آئی ہے (البقرہ ۱۲۹، آل عمران ۱۶۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آپ کی امت کو جو ہدایت ملی، اس کے خاص اجزاء چار تھے ——— تلاوت آیات، تزکیہ، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت۔

تلاوتِ آیات سے مراد نازل شدہ قرآن کو پڑھ کر سنانا ہے۔ اپنی زندگی میں آپ نے اس کو براہ راست پڑھ کر سنایا۔ اب مطبوعہ مصحف کی صورت میں آپ اس کو بالواسطہ طور پر ہمیں سنا رہے ہیں۔ تزکیہ سے مراد تطہیر قلب ہے۔ آپ کی یہ فیض رسانی اب جمع شدہ احادیث کی صورت میں ہم کو پہنچ رہی ہے۔ تعلیم کتاب سے مراد قرآن کی تفہیم ہے۔ آپ کا یہ کار رسالت ہم کو قرآنی روایات کے ذریعہ مل رہا ہے۔

آپ کے پیغمبرانہ کام کا ایک جزء تعلیم حکمت ہے۔ اس سے مراد آدمی کو وہ طرز فکر یا وہ نقطۂ نظر دینا ہے جس کی روشنی میں وہ موجودہ دنیا میں اپنے خدا پرستانہ رویہ کو متعین کر سکے:

(الحکمۃ) المعرفۃ بالدین والفقہ فی التاویل والفھم الذی ھو سجیۃ ونور من اللہ تعالیٰ قالہ مالک ۔۔۔ ویعلم طریق النظر بما یلقیہ اللہ الیہ من وحیہ (تفسیر القرطبی ۲/۱۳۱)

حکمت سے مراد دین کی معرفت اور تاویل احکام کی سمجھ ہے اور وہ فہم جو اس کی طبیعت ہے اور اللہ کی طرف سے روشنی ہے۔ یہ امام مالک کا قول ہے۔ اور یہ کہ پیغمبر وہ طرز نظر سکھاتا ہے جو اللہ اس کو بذریعہ وحی بتاتا ہے۔

حکمت سے مراد دینی روح پر مبنی طرز فکر ہے۔ اس سے مراد وہ صحیح سوچ ہے جو ہر معاملہ میں آدمی کو غیر دینی رخ سے ہٹا کر دینی رخ کی طرف لے جاتی ہے۔ اس کو ایک لفظ میں دینی بصیرت بھی کہہ سکتے ہیں۔

# ذہنی بُعد

واذا قرأت القرآن جعلنا بینك وبین الذین لایؤمنون بالآخرة حجابا مستورا۔ وجعلنا علیٰ قلوبھم أکنة ان یفقھوہ وفی آذانھم وقرا واذا ذکرت ربك فی القرآن وحدہ ولّوا علیٰ ادبارھم نفورا

(الاسراء ۴۵-۴۶)

اور جب تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان ایک چھپا ہوا پردہ حائل کر دیتے ہیں جو آخرت کو نہیں مانتے۔ اور ہم ان کے دلوں پر پردہ رکھ دیتے ہیں کہ وہ اس کو نہ سمجھیں۔ اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دیتے ہیں۔ اور جب تم قرآن میں تنہا اپنے رب کا ذکر کرتے ہو تو وہ نفرت کے ساتھ پیٹھ پھیر لیتے ہیں۔

اس آیت میں حجاب مستور سے مراد دراصل وہی چیز ہے جس کو ذہنی بُعد (intellectual gap) کہا جاتا ہے۔ یعنی متکلم اور سامع کے درمیان سوچنے کے انداز میں فرق ہونا۔ جب بھی دونوں کے درمیان اس قسم کا فرق پایا جائے وہاں یہی ہوگا کہ ایک کی بات دوسرے کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔

مذکورہ آیت میں دو ذہنی فرق کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک آخرت اور دوسرے توحید۔ جن لوگوں کی سوچ آخرت والی سوچ نہ ہو۔ جو دنیا کے مسائل کو اہمیت دیتے ہوں۔ جو دنیا کے عزت و وقار کی اصطلاحوں میں سوچتے ہوں۔ جن کا ذہن صبح و شام دنیا کے مفاد میں گھومتا ہو۔ جو صرف دنیوی خبروں کو جانتے ہوں اور آخرت کی خبروں سے بے خبر ہوں۔ ایسے لوگ دنیوی اہمیت کی باتوں کو فوراً سمجھ لیں گے۔ لیکن جب ان سے وہ باتیں کہی جائیں جو آخرت کے اعتبار سے اہمیت رکھتی ہوں تو وہ اس کو سمجھنے سے قاصر رہیں گے۔

اسی طرح جو لوگ شخصیتوں میں اٹکے ہوئے ہوں۔ جو انسانی اکابر کی عظمتوں میں گم ہوں اور جنھیں خدائے ذوالجلال کی عظمتوں سے واقفیت نہ ہو، ان کے سامنے جب ایسی بات لائی جائے جو خدا کی عظمت کے اعتراف پر مبنی ہو، جو خدا کی بڑائی میں جینے کی دعوت دیتی ہو، تو اپنی مخصوص ذہنی ساخت کی بنا پر ایسی بات ہی انھیں اٹ پٹا پن محسوس ہوگا۔ وہ اس کی اہمیت کا ادراک کرنے میں عاجز ثابت ہوں گے۔

# دعوت، اصلاح

قرآن میں ہے کہ یہ کتاب اس لیے اتاری گئی ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو ڈرایا جائے اور وہ ایمان والوں کے لیے یاد دہانی ہو (لتنذر بہ وذکری للمومنین) اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے ذریعہ حاملین قرآن کو جو کام کرنا ہے، وہ دو ہے۔ ایک، عمومی انذار۔ دوسرا، اہل ایمان کی تذکیر۔

عمومی انذار سے وہی چیز مراد ہے جس کو دوسرے مقام پر دعوت الی اللہ کہا گیا ہے۔ یعنی غیر مسلم اقوام یا عام بندگان خدا کو خدا کے دین کا پیغام پہنچانا۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو امتحان کی مصلحت کے تحت بنایا ہے۔ یہاں جو شخص بھی پیدا کیا جاتا ہے، وہ آزمائش کے لیے پیدا کیا جاتا ہے۔ موت اس آزمائش کی مدت کا خاتمہ ہے۔ اس کے بعد آخرت میں آدمی کی ابدی زندگی شروع ہوتی ہے جہاں ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق سزا یا انعام دیا جائے گا۔

تمام انسانوں کو اس صورت حال کی آگاہی دینا اور انھیں جنتی اعمال اور جہنمی اعمال سے باخبر کرنا، اسی کا نام دعوت ہے۔ اس دعوت کا تعلق عام انسانوں سے ہے۔ وہ تمام لوگ جو ابھی خدا کے دین میں داخل نہیں ہوئے، ان سب پر یہ دعوتی عمل انجام دینا ضروری ہے۔

قرآن کے ذریعہ جو دوسرا کام کرنا ہے، اس کو اصلاح المسلمین کا کام بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس سے مراد اولاً یہ ہے کہ مسلمانوں میں روح ایمان بیدار کی جائے۔ ان کے ایمان کو زندہ ایمان بنایا جائے۔ ان کے اندر وہ گہرا دینی شعور پیدا کیا جائے جو دینی زندگی کے لیے محرک کا کام دیتا ہے۔ اسی کے ساتھ مسلمانوں کو وہ عملی تقاضے بتانا اور ان پر انھیں قائم کرنا جو مومن و مسلم ہونے کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کی اصلاح کا یہ کام "لسان عصر" میں کیا جانا ضروری ہے۔ روایتی انداز کا کام خوش عقیدہ لوگوں کی بھیڑ جمع کر سکتا ہے۔ مگر افراد میں حقیقی ایمانی انقلاب لانا "لسان عصر" کے بغیر ہرگز ممکن نہیں۔

# ازسرنو ایمان

قرآن (البقرہ ۶۲) میں بتایا گیا ہے کہ بے شک جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین، جو ایمان لایا ان میں سے اللہ پر اور روز قیامت پر اور کام کیے نیک، تو ان کے لیے ہے ان کا ثواب ان کے رب کے پاس، اور نہیں ان پر کچھ خوف اور نہ وہ غم گین ہوں گے (ترجمہ مولانا محمود حسن صاحب)

اس آیت میں مسلمان (الذین آمنوا) سے کون لوگ مراد ہیں، اس کی وضاحت کے لیے تفسیر قرطبی (۱/۴۲۲) کا ایک اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے:

| | |
|---|---|
| قال سفیان المراد المنافقون۔ کانہ قال، الذین آمنوا فی ظاهر امرهم۔ فلذلك قرنهم بالیهود والنصاریٰ والصابئین۔ ثم بیّن حکم مَن آمَنَ باللّٰہ والیوم الآخر مِن جمیعهم۔ | سفیان ثوری نے کہا کہ اس سے مراد منافق ہیں۔ گویا کہ فرمایا کہ جو لوگ اپنے ظاہری معاملہ میں ایمان لانے والے بنے۔ اسی لیے ان کو یہود اور نصاریٰ اور صابئین کے ساتھ شامل کیا۔ پھر سب میں سے اس شخص کا حکم بیان فرمایا جو واقعۃً اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا۔ |

اس آیت میں دراصل پیغمبروں کی بعد کی امتوں کا ذکر ہے۔ یعنی وہ لوگ جو بعد کے زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں اور نسلی تعلق کی بنا پر پیغمبر کی امت میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ خواہ دوسرے پیغمبروں کی امت سے اپنے کو منسوب کیے ہوئے ہوں یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے تعلق رکھتے ہوں، سب کا معاملہ آخرت کے اعتبار سے ایک ہے۔ یعنی محض نسلی یا تاریخی تعلق کی بنا پر ان میں سے کوئی بھی نجات پانے والا نہیں۔ ان میں سے ہر شخص کو دوبارہ مومن باللہ بننا ہے۔ اس کو دوبارہ آخرت پر یقین لانا اور عمل صالح کا ثبوت دینا ہے۔ اس کے بعد ہی یہ ممکن ہے کہ اس کے لیے جنت کے دروازے کھولے جائیں۔

مسلمان کو اپنے تقلیدی ایمان کو شعوری ایمان بنانا ہے۔ دین خداوندی کی صداقت کو اسے ازسرنو دریافت کرنا ہے۔ اس کے بعد ہی یہ ممکن ہے کہ اس کو مطلوب اہل ایمان کی فہرست میں شمار کیا جائے۔

# نیا دور

ٹائمس آف انڈیا (۲ جنوری ۱۹۹۲) میں صفحہ ۱۰ پر نقطۂ نظر (Viewpoint) کے کالم کے تحت مسٹر چندرابی کھنڈوری کی یادداشت چھپی ہے۔ اس کا عنوان ہے : (The Muslim Role)

مسٹر کھنڈوری لکھتے ہیں کہ وہ لوگ جنھوں نے انڈیا کی آزادی کے وقت مولانا ابوالکلام آزاد کو دیکھا تھا، انھیں یاد ہوگا کہ اس وقت وہ بٹوارہ کے المیہ پر بری طرح رو رہے تھے :

Those who watched Maulana Azad on the eve of independence remember him weeping bitterly at the tragedy of partition. (Chandra B. Khanduri)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد کو ملک کے بٹوارہ کا کتنا زیادہ غم تھا۔ وہ یہ یقین کرنے میں حق بجانب تھے کہ بٹوارہ ملک کے لیے زہر ہے۔ اس کے نتیجہ میں آزادی ایک نئے قسم کی بربادی کے ہم معنی بن جائے گی۔

اس معاملہ میں واقعہ کا ایک پہلو یہ تھا کہ ۱۹۴۷ سے پہلے کے ہندستان میں مولانا ابوالکلام آزاد کی بات نہیں چلی۔ مسلمانوں کے درمیان مسٹر محمد علی جناح نے سب سے بڑے قائد کی حیثیت حاصل کرلی۔ اس کے نتیجہ میں یہ ہوا کہ مولانا آزاد کے نقشہ کے خلاف انڈیا دو حصوں میں بٹ گیا۔

مگر اس واقعہ کا ایک اور پہلو بھی تھا۔ وہ یہ کہ ۱۹۴۷ کے بعد ملک میں جو حالات پیدا ہوئے اس نے اچانک مولانا ابوالکلام آزاد کو مسلمانوں کے درمیان رہنما نمبر ایک کی حیثیت دے دی۔ ملک کے تمام مسلمان اب ان کی طرف دیکھنے لگے کہ نئے ہندستان میں وہ انھیں کوئی راہ دکھائیں۔ مگر ۱۹۴۷ سے پہلے کے دور میں فعال قائد بننے والے مولانا آزاد ۱۹۴۷ کے بعد کے دور میں ایک غیر فعال قائد بن کر رہ گئے۔ انھوں نے مسلمانانِ ہند کو نئے حالات کے اعتبار سے کوئی واضح رہنمائی نہ دی۔ حالانکہ ملک کی تقسیم کے بعد مولانا آزاد گیارہ سال تک زندہ رہے۔ اس طرح انھیں کام کرنے کا طویل وقفہ حاصل ہوا۔

اسی سے ملتا جلتا معاملہ مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کا ہے۔ مولانا مدنی آزادی کے بعد دس سال تک زندہ رہے۔ مولانا سیوہاروی کو آزادی کے بعد پندرہ سال تک جینے

کا موقع ملا۔ مسلمانانِ ہند کے تحفظ کے سلسلہ میں ان لوگوں کی خدمات بلاشبہہ قابل قدر ہیں۔ مگر ان حضرات نے بھی نئے حالات کے اعتبار سے مسلمانوں کو کوئی واضح اور مثبت رہنمائی نہ دی۔ یہاں تک کہ وہ اس دنیا سے چلے گئے۔

مثال کے طور پر ۱۹۴۷ سے پہلے مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، سب کے سب یہ کہتے تھے کہ قوم وطن سے بنتی ہے۔ اس لیے اس ملک کے ہندو اور مسلمان دونوں ایک قوم ہیں۔ لیکن حیرت انگیز بات ہے کہ ۱۹۴۷ کے بعد اس معاملہ میں یہ سب حضرات بالکل خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد انھوں نے کبھی یہ مہم نہیں چلائی کہ مسلمانوں میں علٰحدگی پسندی کا ذہن ختم کریں اور ان کے اندر ہندستانی قومیت کا ذہن بنائیں۔ جب کہ حالات کے اعتبار سے سب سے زیادہ ضروری کام یہی تھا۔ اگر وہ ایسا کرتے تو ہندستانی مسلمانوں کو سوچ کا ایک رخ مل جاتا، اور ان کے لیے ممکن ہو جاتا کہ وہ حالات سے موافقت کر کے اس ملک میں اپنی زندگی کی تعمیر کر سکیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کے ہم خیال دوسرے رہنماؤں کی اس غیر فعالیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۴۷ کے بعد کے انڈیا میں بھی مسلمانوں کے اندر وہی سوچ جاری رہی جو ۱۹۴۷ سے پہلے کے انڈیا میں انھیں مسٹر جناح نے دی تھی۔ ۱۹۴۷ کے بعد اٹھنے والے نئے لیڈروں میں بھی کوئی اس صلاحیت کا نہ تھا کہ وہ مسٹر جناح اور ان کے ہم نوا ڈاکٹر اقبال کے فکری غلبہ کو توڑ سکے۔ چنانچہ بعد کا دور عملی طور پر پچھلی قیادت کی توسیع بن گیا جو آج تک جاری ہے۔

مسٹر جناح اور ان کے ساتھیوں نے مسلمانوں کو دو قومی نظریہ سکھایا تھا۔ مسلمانوں کا پورا ذہن اس فکر کے تحت بنا تھا کہ ہندو الگ قوم ہیں اور مسلمان الگ قوم۔ اس فکر نے مسلمانوں کو جو طریقہ دیا وہ دوری اور ٹکراؤ کا طریقہ تھا۔ وہ احتجاج اور مطالبات پر مبنی تھا۔ وہ حقوق طلبی کی زبان کے سوا کوئی اور زبان نہیں جانتا تھا۔ وہ یہ تھا کہ مسائل کو نمایاں کیا جائے اور مواقع کو غیر مذکور چھوڑ دیا جائے۔

چنانچہ ۱۹۴۷ کے بعد کا پورا دور اسی سابقہ فکری راستہ پر چل پڑا۔ مسٹر جناح نے چودہ پوائنٹ پر مشتمل اپنے مطالبات پیش کیے تھے۔ نئی لیڈر شپ نے بیس پوائنٹ پر مشتمل اپنے مطالبات پیش کر دیے۔ مسٹر جناح نے علٰحدہ قومیت کی بات کی تھی، نئی قیادت نے علٰحدہ تشخص کی بات شروع کر دی۔ مسٹر جناح نے مسلمانوں کی تمام مصیبتوں کا ذمہ دار ہندو کو بتایا تھا۔ نئے لیڈروں نے اکثریتی فرقہ

کی حکومت کو مسلمانوں کی تمام مصیبتوں کا ذمہ دار بتانے پر اپنی ساری طاقت خرچ کردی۔ مسٹر جناح نے مسلمانوں میں زرد صحافت کو رواج دیا تھا۔ وہ مزید شدت کے ساتھ بعد کے دور میں بھی جاری رہی۔

مسٹر جناح کی غلط رہنمائی کے نتیجہ میں مسلمانوں نے انتہائی غلط طور پر ہندوؤں کو غیر قوم سمجھ لیا تھا، ۱۹۴۷ کے بعد رہنمائی کے خلا کی بنا پر مسلمان دوبارہ ہندوؤں کو غیر قوم ہی سمجھتے رہے۔ مسٹر جناح کی غلط رہنمائی نے مسلمانوں کا یہ ذہن بنایا تھا کہ مشترک ہندستان ان کا وطن نہیں بن سکتا، یہی ذہن بعد کو بھی مسلمانوں میں کم و بیش باقی رہا۔ وہ اب بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر یہی سمجھتے رہے کہ ہندستان ان کا اصلی وطن نہیں ہے۔ اس طرح مسلمان ذہنی طور پر خود اپنے وطن میں بے وطن بن کر رہ گئے۔

میرے نزدیک، موجودہ مسلم قیادت، بے ریش اور باریش دونوں، تقریباً بلا استثناء مسٹر جناح کے قیادتی انداز کی توسیع ہے، اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ ہر ایک بنیادی طور پر وہی بات کہہ رہا ہے جو مسٹر جناح نے اور ان کے فکری ہم نوا ڈاکٹر اقبال نے کہی تھی۔ دونوں کے درمیان الفاظ کا فرق ہو سکتا ہے، مگر ان میں حقیقت کا کوئی فرق نہیں۔

## اور ہندو بھی

گہرائی کے ساتھ دیکھا جائے تو ہندو بھی عملاً مسٹر جناح کے راستہ پر چل پڑے۔ ۱۹۴۷ کے بعد وہ بھی مسٹر جناح کے فکری پیرو بن گئے۔ انھوں نے بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر مسٹر جناح کے زیر تاثر یہ سمجھ لیا کہ انڈیا میں دو قومیں بستی ہیں۔ ایک ہندو، اور دوسرے مسلمان۔ یہی وہ چیز ہے جو ہندو مسلم تعلقات کے بگاڑ کا اصل سبب ہے۔

انڈیا میں مسلمان ایک ہزار سال سے بھی زیادہ مدت سے آباد ہیں۔ ان کی تعداد پہلے تھوڑی تھی۔ اب بڑھتے بڑھتے تقریباً پندرہ کروڑ ہو چکی ہے۔ یہ مسلمان کون لوگ ہیں۔ یہ زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو پہلے ہندو تھے۔ بعد کو انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ گویا کہ یہ مسلمان بھی نسلی اعتبار سے اسی طرح انڈین ہیں جس طرح دوسرے ہندو انڈین ہیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے بجا طور پر لکھا ہے کہ پچھلے ہزار سال کے دوران ہندوؤں میں کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ صرف ہندو لوگ انڈین ہیں، مسلمان انڈین نہیں ہیں۔ ہندو عقیدہ یہ ہے کہ

سچائی ہر مذہب میں پائی جاتی ہے۔ اس لیے جب کوئی ہندو اسلام قبول کر لیتا تو وہ اپنے عقیدہ کے مطابق، یہ سمجھتے تھے کہ وہ سچائی کے ایک حلقہ سے نکل کر سچائی کے دوسرے حلقہ میں چلا گیا ہے۔ اور چونکہ نسلی اعتبار سے وہ ان کی اپنی نسل ہی سے تعلق رکھتا تھا اس لیے وہ ان کے انڈین ہونے پر بھی کوئی شک نہیں کرتے تھے (ڈسکوری آف انڈیا ۸۱-۲۸۰)

مغل دور میں بیشتر راجاؤں نے مغلوں کا ساتھ دیا۔ شیواجی نے اورنگ زیب کے خلاف بغاوت کی۔ مگر اس کا تعلق کچھ بھی اس بات سے نہیں تھا کہ اورنگ زیب مسلمان ہے۔ شیواجی کو اورنگ زیب کی صرف بعض پالیسیوں سے اختلاف تھا۔ چنانچہ جے پور کے راجہ کے نام ایک خط میں شیواجی نے لکھا تھا کہ دہلی کے تخت پر اگر اورنگ زیب کے بجائے دارا شکوہ ہوتا تو وہ ہرگز اس کے خلاف لڑائی نہ لڑتے۔ وہ اس کی ماتحتی قبول کر لیتے۔

۱۹۴۰ سے انڈیا کی تاریخ میں ایک نیا دور آتا ہے جب کہ مسٹر محمد علی جناح نے دو قومی نظریہ پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ قومیت کا تعلق وطن سے نہیں ہے بلکہ مذہب سے ہے۔ اور چونکہ مسلمانوں کا اور ہندوؤں کا مذہب الگ الگ ہے اس لیے دونوں الگ الگ قوم ہیں۔ انھوں نے اپنے اسی دو قومی نظریہ کی بنیاد پر برصغیر ہند میں دو الگ الگ وطن کا مطالبہ کیا۔

مسٹر محمد علی جناح کے اس فکر کے رد عمل میں پہلی بار ہندوؤں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مسلمان الگ قوم ہیں اور ہندو الگ قوم ہیں۔ انتہا پسند ہندو اب مسلمانوں کی وطنی وفاداری پر شک کرنے لگے۔ انھوں نے کہا کہ مسلمان غیر ملکی ہیں۔ یہ خیال پختہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ پاکستان جیسے مسلم ملک کے مقابلہ میں بریگیڈیر عثمان اور حوالدار عبد الحمید کی غیر معمولی قربانیاں بھی اس فکر کا خاتمہ نہ کر سکیں۔ مسٹر جناح کے رد عمل میں پیدا ہونے والا فکر کسی جوابی فکر سے ٹوٹ سکتا تھا۔ چونکہ ۱۹۴۷ کے بعد کوئی ایسی طاقتور فکری تحریک برپا نہیں ہوئی اس لیے یہ فکر بھی لوگوں کے ذہنوں سے محو نہ ہو سکا۔

انڈیا کے لوگ ہمیشہ سے یہ مانتے آرہے تھے کہ قوم وطن سے بنتی ہے۔ جو لوگ ایک وطن میں ہوں وہ سب ایک قوم ہیں۔ مگر مسٹر جناح کے دو قومی نظریہ سے متاثر ہو کر یہاں کے ہندو یہ سمجھنے لگے کہ چونکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا مذہب الگ الگ ہے، اس لیے دونوں الگ الگ قوم ہیں۔

انڈیا کا ہندو مسلم مسئلہ پچاس فی صد اس لیے ہے کہ ۱۹۴۷ کے انقلاب کے بعد بھی یہاں کے

مسلمان مسٹر جناح کے علحدگی پسندی کے نظریہ سے متاثر رہے۔ اور بقیہ پچاس فی صد اس لیے ہے کہ یہاں کے ہندو بھی کم از کم عملی طور پر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ قوم وطن سے نہیں بنتی بلکہ مذہب سے بنتی ہے۔ اس لیے ہندو الگ قوم ہیں اور مسلمان الگ قوم۔ وہ جناح کو رد کرتے ہیں، مگر وہ جناح کے نظریہ کو پوری طرح قبول کیے ہوئے ہیں۔

## دور انقلاب

کسی فکری انقلاب کے لیے حالات کی موافقت ضروری ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ۶ دسمبر ۱۹۹۲ کے بعد وہ حالات مکمل طور پر پیدا ہو گئے ہیں جب کہ مسٹر جناح کے اس فکری تسلسل کو آخری طور پر توڑ دیا جائے۔ بابری مسجد کے نام پر مسلمانوں کے درمیان جو تحریک اٹھی، وہ مکمل طور پر جناحی پیٹرن پر اٹھنے والی تحریک تھی۔ بابری مسجد کا ڈھایا جانا بلاشبہ ایک ٹریجڈی تھی۔ لیکن اگر بابری مسجد کا انہدام مسٹر جناح کے فکری تسلسل کا انہدام بن جائے تو میں سمجھوں گا کہ اس ٹریجڈی میں بھی ایک تابناک پہلو موجود ہے۔ یہ ناموافق حادثہ اپنے اندر ایک موافق پہلو لیے ہوئے ہے۔

ٹائمس آف انڈیا (۲ جنوری ۱۹۹۳) میں مسٹر چندرابی کھنڈوری کا جو مضمون شائع ہوا ہے اس میں انھوں نے ایک مسلم خاتون ناہید اشرف کے ایک مطبوعہ مضمون کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ہم نے اس مضمون کو پڑھا۔ اس نے مجھ کو، میرے گھر والوں کو اور میرے دوستوں کو غیر معمولی طور پر متاثر کیا۔ جو چیز ہمارے دلوں میں گھس گئی، وہ مسلم خاتون کے یہ الفاظ تھے کہ اب لیڈروں کو ایک بات اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ کوئی بھی ہندستانی مسلمان اس ملک کو چھوڑنے والا نہیں ہے۔ بس ایک بار کافی تھا، مسلمان مہاتما گاندھی کی طرح مرجائیں گے مگر وہ یہاں سے نہیں جائیں گے۔ خواہ ہمارا کھنڈر ہی یہاں ہماری یاد کے لیے باقی رہ جائے :

Reading 'Once Was Enough' by Naheed Ashraf moved me, my children and my friends. What penetrated our hearts were the words: 'Now let the leaders keep one thing in mind that no Indian Muslim is going to leave this country. Once was enough...they will rather die like Gandhi...let the ruins keep reminding us...' Naheed shows the greatness of our Muslim community.(p.10)

جاپان میں دوسری عالمی جنگ کے بعد عمل معکوس (reverse course) کے نام سے ایک

تحریک اٹھی۔ اس کا مقصد جاپانیوں کے قبل از جنگ ذہن کو بدل کر ان میں نیا تعمیری ذہن پیدا کرنا تھا آج ہمیں بھی اسی قسم کے ایک عمل معکوس کی ضرورت ہے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ یہ عمل معکوس اب انڈیا کے ہندوؤں اور مسلمانوں، دونوں کے اندر شروع ہو چکا ہے۔

اب ہمیں ایک طرف ہندستانی مسلمانوں کو بتانا ہے کہ تم اور ہندو دو قوم نہیں ہو بلکہ ایک قوم ہو۔ ہمیں ان کے اندر نفرت کے بجائے محبت کی ہوائیں چلانا ہے۔ ہمیں مسلمانوں کو بتانا ہے کہ تم کو ٹکراؤ کے بجائے ایڈجسٹمنٹ کی پالیسی کو اختیار کرنا چاہیے۔ ہمیں ان کے اندر یہ شعور ابھارنا ہے کہ نئے انڈیا میں ان کا بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا کسی دوسرے کا۔ البتہ یہ حصہ ان کو میرٹ کی بنیاد پر ملے گا نہ کہ رزرویشن اور مطالبہ کی بنیاد پر۔ ہمیں مسلمانوں میں نئی تعمیری صحافت کو وجود میں لانا ہے، ایسی صحافت جو منصفانہ واقعہ نگاری پر مبنی ہو، جو مسائل سے زیادہ مواقع کو نمایاں کرنے میں دلچسپی رکھتی ہو۔

اسی قسم کی تحریک ہندوؤں کے درمیان چلنا بھی ضروری ہے۔ ہندو بھائیوں سے یہ کہنا ہے کہ وہ جناحی طرز فکر کو چھوڑ دیں، اور اپنے ماضی والے فکر کو دوبارہ اختیار کر لیں۔ وہ جناح کے مذہب کے بجائے خود اپنی روایات والے اس مذہب پر آجائیں جس کا اہم ترین پہلو تعدد میں وحدت کو دیکھنا ہے۔ مسٹر چندرابی کھنڈوری نے اپنا مذکورہ مضمون ان الفاظ پر ختم کیا ہے کہ ضرورت ہے کہ ہم اپنے مشترک کلچر کے مطابق اپنی روایتی عقلیت اور رواداری کی طرف لوٹ آئیں :

In consonance with our composite culture, we need, therefore, to return to our traditional rationality and tolerance.

یہ الفاظ کسی ایک شخص کے الفاظ نہیں ہیں۔ وہ کروروں ہندوؤں کے دل کی ترجمانی ہیں۔ اس کا ایک اظہار وہ ہے جو ۶ دسمبر ۱۹۹۲ کے حادثہ کے بعد بار بار پرنٹ میڈیا اور الکٹرانک میڈیا میں ہمارے سامنے آتا رہا ہے۔

یہی بھارت کا ضمیر ہے۔ بھارت کا ضمیر جو ۶ دسمبر سے پہلے عارضی طور پر سو گیا تھا، اب وہ پوری طاقت کے ساتھ جاگ اٹھا ہے۔ اور ضمیر جب جاگ اٹھے تو وہ اپنی تکمیل سے پہلے دوبارہ کبھی نہیں سوتا۔ تاریخ کا تجربہ ہے کہ ضمیر کی آواز ہر دوسری آواز پر غالب آتی ہے۔ اور انڈیا کا معاملہ بلاشبہ فطرت کے اس عالمی قانون سے مستثنیٰ نہیں۔

مجھے یقین ہے کہ انڈیا میں اب نئے دور کا آغاز ہو چکا ہے، فی الحال یہ آغاز زیادہ تر ایک تاریخی عمل (historical process) کی صورت میں ہے۔ مگر دھیرے دھیرے انشاء اللہ وہ شعور کا درجہ اختیار کرے گا۔ اور جب وہ شعور کے درجہ میں پہنچے گا تو اس کا عمل بھی زیادہ تیز اور موثر ہو جائے گا۔ اس واقعہ کو بہر حال ظہور میں آنا ہے۔ اس کے اور ہمارے درمیان ضروری مدت کے سوا کوئی بھی دوسری چیز حائل نہیں۔

انسانی زندگی میں جب بھی کوئی نیا دور آتا ہے تو وہ ہمیشہ اس طرح آتا ہے کہ اس میں پچاس فی صد حصہ تاریخی عوامل ادا کرتے ہیں، اور بقیہ پچاس فی صد حصہ خود اس انسانی گروہ کو ادا کرنا ہوتا ہے جس کے درمیان وہ انقلاب آرہا ہو۔

آج ہم اسی امتحانی دور میں ہیں۔ اس وقت ہمارا کام یہ ہے کہ موجودہ حالات میں ابھرنے والے تاریخی عوامل کو پہچانیں اور پھر حکمت اور دانش مندی کے ساتھ انھیں اپنے حق میں استعمال کریں۔ اگر ہم نے اپنے حصہ کا یہ ۵۰ فی صد کام درست طور پر انجام دے دیا تو اس کے بعد مطلوبہ نئے دور کا آنا اتنا ہی یقینی ہو جائے گا جتنا گردش زمین کے قانون کے تحت تاریک شام کے بعد روشن صبح کا نمودار ہونا۔

ایک صاحب نے سوال کیا کہ آپ کہتے ہیں کہ اس وقت ہم مکی دور میں ہیں اور ہم مکی دور میں اترنے والے احکام کے مخاطب ہیں۔ آپ کس بنیاد پر ایسا کہتے ہیں جب کہ اب مکمل قرآن اتر چکا ہے اور وہ آج مکمل صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔

میں نے کہا کہ یہ بات قرآن کے اصول تکلیف (لایکلف اللہ نفساً الا وسعہا) سے نکلتی ہے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسلمان یا کسی جماعت کے اوپر قرآن کے احکام کا انطباق باعتبار وسع ہے نہ کہ باعتبار تنزیل۔ حج اور زکوٰۃ کے احکام اتر چکے ہیں۔ مگر ان احکام کی فرضیت صرف ان افراد کے اوپر ہے جو اس کی استطاعت رکھتے ہوں۔ یہی معاملہ تمام احکام کا ہے۔ آدمی جس حکم کی تعمیل کی استطاعت رکھتا ہو اس کا وہ مکلف بن جائے گا۔ اور جس حکم کی وہ استطاعت نہ رکھتا ہو اس کا وہ مکلف نہیں بنے گا۔

۶ نومبر کو مغرب اور عشاء کی نماز کے بعد پونہ کی مکہ مسجد میں عمومی خطاب ہوا۔ موضوع رکھا گیا تھا: حالات حاضرہ اور مسلمان۔ میں نے کہا کہ اس عنوان کا میرے نزدیک دو پہلو ہے۔ ایک، مشکلات حاضرہ اور مسلمان۔ اور دوسرا، امکانات حاضرہ اور مسلمان۔ اس کے بعد تفصیل سے میں نے بتایا کہ بلاشبہ ہمارے لئے کچھ مشکلات ہیں۔ مگر اس قسم کی مشکلات ہر سماج میں اور ہر ملک میں ہمیشہ رہتی ہیں۔ مزید مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ امکانات کی مقدار مشکلات کی مقدار سے ہمیشہ بہت زیادہ ہوتی ہے اور آج بھی بہت زیادہ ہے۔ ایسی حالت میں ہم کو پریشان ہونے کی کیا ضرورت۔

ایک مسجد میں نماز پڑھی۔ امام صاحب نے نماز پڑھانے پر اصرار کیا۔ مگر میں نے نماز نہیں پڑھائی۔ بلکہ امام صاحب کو پکڑ کر انھیں آگے کر دیا۔ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ ان کے پیچھے نماز ادا کی۔

میرے ساتھ ایسا بار بار پیش آتا ہے۔ جب بھی میں کہیں جاتا ہوں تو جس مسجد میں نماز کے لئے داخل ہوتا ہوں اس کے امام صاحب نماز پڑھانے کے لئے اصرار کرتے ہیں۔ مگر یہ طریقہ درست نہیں۔ زیادہ درست طریقہ یہ ہے کہ مقامی امام ہی نماز پڑھائے۔ حدیث کی مشہور کتاب سنن ابی داؤد میں کتاب الصلاۃ کے تحت امامۃ الزائر کا ایک مستقل باب ہے۔ ابو عطیہ تابعی کہتے ہیں کہ مالک بن حویرث ہماری مسجد میں آئے۔ جب نماز کھڑی ہوئی تو ہم نے ان سے کہا کہ آگے آئیے اور نماز پڑھائیے۔ انھوں نے کہا کہ تم اپنے میں سے کسی شخص کو کھڑا کرو اور وہ نماز پڑھائے۔ پھر میں تم کو بتاؤں گا کہ میں کیوں ایسا کرتا ہوں۔ اس کے بعد

انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص کسی قوم میں جائے تو وہ ان کی امامت نہ کرے بلکہ خود ان میں کا کوئی شخص ان کی امامت کرے (مَنْ زار قوماً فلا یؤمّہم ولیؤمّہم رجل منہم) حدیث نمبر ۵۹۶

انڈیا میں پارسیوں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ ہے۔ ان میں سے زیادہ بڑی تعداد بمبئی میں ہے۔ اس کے بعد ان کی زیادہ تعداد پونہ میں ہے۔ پارسیوں کا اصول ہے کہ وہ مختلف طریقوں سے اپنے بچوں کے اندر خود اعتمادی کا مزاج پیدا کرتے ہیں۔

ایک پارسی نے اپنے چھوٹے بچہ کو گھر کے چبوترے پر کھڑا کیا۔ خود چبوترہ کے نیچے کسی قدر فاصلہ پر کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد ہاتھ بڑھا کر بچہ سے کہا بیٹے میری گود میں آجاؤ۔ بچہ بڑھتا مگر نیچے گرنے کے ڈر سے چبوترہ پر ٹھہر جاتا۔ اسی طرح کئی بار کرنے کے بعد باپ اور قریب آگیا اور بچہ کو گود میں لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ بچہ اپنے باپ کو قریب دیکھ کر تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ مگر جیسے ہی بچہ آگے بڑھا، باپ پیچھے ہٹ گیا۔ بچہ چبوترہ کے نیچے منھ کے بل گر گیا۔ اب باپ نے جلدی سے اس کو اٹھالیا اور کہا : بیٹے دیکھو باپ پر بھی بھروسہ نہ کرنا۔

پونہ میں بمبئی کے ہفتہ وار السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا (۲ - ۸ نومبر ۱۹۹۱) کا شمارہ دیکھا۔ اس کے آخری صفحہ پر آشا کرشنا کمار کا مضمون نمایاں طور پر شائع کیا گیا تھا۔ اس مضمون میں فرقہ پرست ہندوؤں کی ایک بات کا جواب تھا۔ وہ یہ کہ مسلمانوں کی آبادی ہندستان میں تیزی سے بڑھ رہی ہے اور مستقبل میں ان کی تعداد ہندوؤں سے زیادہ ہو جائے گی۔ مضمون میں اس فرضی پروپگنڈے کا نہایت طاقت ور جواب دیا گیا تھا۔ ایڈیٹر نے مضمون کے آغاز میں اس کے بارہ میں یہ الفاظ لکھے تھے :

That the minority Muslim community is reproducing at a faster rate as compared to the Hindus and would thus outnumber them, was one of the mainstays of the BJP's communal politics. This simplistic statement is one more example of the Party's brand of Hindutva, based on deliberate distortion and vicious misinterpretation of facts, argues Asha Krishnakumar in an in-depth analysis.

یہ ایک مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوؤں کا پڑھا لکھا طبقہ اپنے سائنٹفک مزاج کی بنا پر مسلمانوں کا زبردست حامی ہے۔ مگر مسلمانوں کے نااہل لیڈروں نے اس راز کو نہیں سمجھا۔

وہ جلسہ جلوس کی سیاست کے ذریعہ ہندو عوام کو بھڑکاتے ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کا معاملہ ہندو تعلیم یافتہ طبقہ کے ہاتھ سے نکل کر ہندوؤں کے جاہل طبقہ کے پاس چلا جاتا ہے اور جاہل طبقہ خواہ وہ ہندوؤں کا ہو یا غیر ہندوؤں کا وہ عقلی بنیاد پر سوچ کر اپنا طرز عمل متعین نہیں کرتا بلکہ اندھے جذبات کے تحت اپنا طرز عمل متعین کرتا ہے۔ یہی وہ غلط سیاست ہے جس کا برا انجام اس وقت مسلمانوں کے حصہ میں آیا ہے۔

مولانا سید نور ابراہیم (۲۸ سال) پونہ کی ایک مسجد میں امام ہیں۔ ۱۹۸۷ میں یہ واقعہ ہوا کہ انھوں نے ایک مطبوعہ اردو اعلان مسجد میں پڑھ کر سنایا۔ اس اعلان میں "آرگنائزیشن" کا لفظ تھا وہ اس کا صحیح تلفظ نہ کر سکے۔

اس کے بعد انھیں احساس ہوا کہ میں نے مدرسہ سے عالم کی فراغت حاصل کر لی مگر انگریزی سے میں اتنا زیادہ بے بہرہ ہوں کہ انگریزی کا ایک لفظ جو اردو خط میں چھپا ہوا ہے اس کو میں پڑھ نہیں سکتا۔ یہ سوچ کر ان کے اندر غیرت آئی۔ بازار سے انھوں نے انگریزی کتابیں حاصل کیں اور بطور خود انگریزی پڑھنا شروع کیا۔ اب ذاتی کوشش سے انھوں نے اتنی انگریزی سیکھ لی ہے کہ وہ الرسالہ انگریزی پورا کا پورا سمجھ کر پڑھ لیتے ہیں۔ وہ ہر مہینہ باقاعدہ طور پر انگریزی الرسالہ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔

ناپسندیدہ واقعہ سے اگر منفی اثر لیا جائے تو وہ تباہی کا سبب بنتا ہے۔ اور اگر ناپسندیدہ واقعہ سے مثبت اثر لیا جائے تو وہ آدمی کے لئے ترقی کا زینہ بن جاتا ہے۔

پچھلے ماہ میں تقریباً دو ہفتہ کے لئے لاہور میں تھا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ تقریباً ہر مسلمان کی سوچ یہ ہے کہ پاکستان کا قیام مسٹر محمد علی جناح کا کارنامہ ہے۔ پاکستانی دانشوروں کے نزدیک ہندو لیڈرشپ کسی طرح پاکستان بننے دینا نہیں چاہتی تھی۔ یہ مسٹر جناح کی عظیم قیادت تھی کہ انھوں نے ہندو لیڈروں کو پاکستان کو قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔

مگر ہندستان کے مسلم دانشوروں کا خیال اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان کا خیال ہے کہ پاکستان کو مسلمانوں نے نہیں بنوایا بلکہ ہندوؤں نے بنوایا۔ بمبئی کے زمانۂ قیام میں یہاں کے ایک اخبار (انقلاب ۹ نومبر ۱۹۹۱) نے اپنے اداریہ میں لکھا تھا ——— مشہور ماہر قانون ایچ ایم سیروائی نیز دیگر محققین نے اپنی متعدد تصانیف میں یہ بات ثابت کر دی ہے کہ پاکستان کا قیام مسلمانوں کی وجہ سے

نہیں بلکہ درحقیقت جن سنگھی ذہنیت اور انگریزوں کی ملی بھگت کا نتیجہ ہے۔

بمبئی کے اردو اخبار کے مذکورہ اداریہ کا عنوان تھا: "مسلمان کیا کریں" اس کو دکھاتے ہوئے ایک صاحب سے میں نے کہا کہ جو مسلم دانشور پچاس برس میں یہ بھی طے نہ کر سکے کہ پاکستان کس نے بنوایا وہ "مسلمان کیا کریں" کے بارہ میں قوم کو کیسے کوئی درست رہنمائی دے سکتے ہیں۔

بمبئی کے ٹائمس آف انڈیا (۳ نومبر ۱۹۹۱) میں ایک جرنلسٹ راج دیپ سار ڈیسائی کے قلم سے ایک دلچسپ مضمون تھا۔ اس کا عنوان تھا —— طاقتور تلوار، اس سے بھی زیادہ طاقتور قلم:

Mighty sword, mightier pen.

اس مضمون میں بتایا گیا تھا کہ شیوسینا نے ایک عرصہ تک تلوار (تشدد) کے وسیلہ پر اعتماد کیا۔ مگر یہ ذریعہ اس کے لئے زیادہ مفید نہ ہو سکا۔ چنانچہ اب خود شیوسینا کے اپنے اخبار مارمک نے لکھا ہے کہ ہمیں پریس کی طاقت کو استعمال کرنا چاہئے۔ شیوسینا کے آرگن نے اردو شاعر کے شعر کو کسی قدر رنرق کے ساتھ نقل کیا ہے کہ کھینچو نہ کمانوں کو نہ تلوار نکالو، گر توپ مقابل ہے تو اخبار نکالو:

Do not remove a sword, When even a cannon becomes useless, bring out a newspaper. (p.13)

۱۰ نومبر کو ۱۰ بجے بمبئی میں ایک خطاب کا پروگرام تھا۔ اس کا انتظام پاٹکر ہال میں کیا گیا اور اس کا عنوان تھا "محمدؐ —— پیغمبر انقلاب۔ اس موضوع پر ڈیڑھ گھنٹہ تقریر ہوئی۔ اس کے بعد آدھ گھنٹہ تک سوال وجواب کا پروگرام تھا۔ حاضرین میں مسلم اور غیر مسلم دونوں موجود تھے۔

آج کا دن کسی سنجیدہ اجتماع کے لئے بہت غیر موزوں تھا۔ کیوں کہ آج اتوار تھا اور آج ہی کھیل کا میچ تھا اور جب اس قسم کا میچ ہو تو تمام لوگ ٹی وی دیکھنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ مگر وسیع ہال پوری طرح بھرا ہوا تھا۔ جناب ہارون رشید (چیف اڈیٹر بلٹز) نے کہا کہ یہ منظر دیکھ کر مجھے تعجب انگیز خوشی ہو رہی ہے۔ اس پروگرام کی پروفیشنل انداز میں معیاری ویڈیو ریکارڈنگ کرائی گئی۔ اس کا ویڈیو اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن (بمبئی) کے پاس موجود ہے۔

۱۰ نومبر کی سہ پہر کو پالی کی مسجد میں نماز مغرب کے بعد ایک اجتماع ہوا۔ اس میں تقریباً آدھ گھنٹہ کی ایک تقریر ہوئی۔ تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ ہندستان میں مسلمانوں کے جو حالات ہیں وہ بہت امید

افزا ہیں۔ اس میں ہمارے لئے مایوسی کا کوئی سوال نہیں۔ اس کو میں نے قرآن و حدیث سے اور تاریخ کی مثالوں سے واضح کیا۔

۷ نومبر کی صبح کو میں بمبئی میں تھا۔ یہاں ڈاکٹر عبد الکریم نائک صاحب کے مکان پر قیام رہا۔ ان کے مکان کے قریب جیسمین اپارٹ منٹس کی مسجد میں فجر کی نماز پڑھی۔ یہاں فجر کی نماز کے بعد مختصر طور پر نماز سے متعلق ایک حدیث کی تشریح بیان کی۔ مولانا ممتاز احمد قاسمی اس مسجد کے امام ہیں۔

۸ نومبر کو صبح ۱۱ بجے آل انڈیا ریڈیو بمبئی نے میری ایک ٹاک کو ریکارڈ کیا۔ یہ ٹاک چند دن کے بعد براڈکاسٹ کی جائے گی۔ اس کا عنوان تھا ــــ قومی یک جہتی کا مسئلہ۔ یہ تقریر ان شاء اللہ آئندہ الرسالہ میں شائع کر دی جائے گی۔

آج جمعہ کا دن تھا۔ بمبئی میں باندرہ کی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی۔ پہلے سے اعلان کر دیا گیا تھا کہ نماز جمعہ کے بعد مسجد میں عبادت کے موضوع پر میری تقریر ہوگی۔ میرا خیال تھا کہ نماز جمعہ کے بعد یہاں بہت کم لوگ ٹھہریں گے۔ مگر اتنے زیادہ آدمی ٹھہرے کہ وسیع مسجد بالکل بھری ہوئی تھی۔ میں نے تقریباً ایک گھنٹہ تک نماز کی روشنی میں اسلامی عبادت کی تشریح کی۔

انگریزی روزنامہ فری پریس جرنل نے ٹیلی فون کیا تھا کہ وہ مجھ سے انٹرویو لینا چاہتے ہیں۔ مقرر وقت کے مطابق ان کی خاتون نمائندہ مسز سیمر ہ نے میری رہائش گاہ پر مفصل انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر ہندستان کے مسلمانوں سے متعلق تھا۔ کچھ سوالات اسلام کے بارہ میں بھی تھے۔ یہ انٹرویو ۸ نومبر کو نماز عصر کے بعد ریکارڈ کیا گیا۔

۸ نومبر کو نماز مغرب کے بعد قارئین الرسالہ کا اجتماع ہوا۔ یہ اجتماع ایک ہال میں تھا۔ پہلے قارئین الرسالہ کو اظہار خیال کا موقع دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے الرسالہ مشن کی وضاحت پر ایک مفصل تقریر کی۔

۸ نومبر کی رات کو ہندی اخبار جن ستا کے نمائندہ احمد اظہار اور ہندستان ڈیلی کے نمائندہ عبد الرحمٰن صدیقی نے تفصیلی انٹرویو لیا۔ اس انٹرویو میں دو قسم کے سوالات کئے گئے۔ الرسالہ مشن اور مسلمانوں کے موجودہ مسائل۔ الرسالہ مشن کے سلسلہ میں میں نے کہا کہ اس کا مشن لوگوں کو باشعور بنانا ہے۔ مسائل کے سلسلہ میں میں نے کہا کہ میرے نزدیک ہندستان میں مسلمانوں کے لئے کوئی مسئلہ نہیں۔ میں نے کہا کہ

مسئلہ اس صورت حال کا نام ہے جس کا حل بروقت موجود نہ ہو۔ مسلمانوں کے مسائل کا حل چوں کہ موجود ہے، اس لئے میں ان کو مسئلہ نہیں سمجھتا۔ مثلاً فساد کے مسئلہ کا یقینی حل اعراض ہے۔ سروس کے مسئلہ کا یقینی حل محنت ہے۔ معاشی پسماندگی دور کرنے کا یقینی حل صنعت و تجارت میں آگے بڑھنا ہے۔

ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے میں نے کہا کہ موجودہ زمانہ میں مسلمان جگہ جگہ ظالم حکمرانوں کے خلاف چیلنج کے نام پر بے معنی سیاسی لڑائی چھیڑے ہوئے ہیں اور اس کو حسینی نمونہ کی پیروی کہتے ہیں۔ یہ تاریخ نہیں ہے بلکہ تاریخ سازی ہے۔ کیوں کہ تاریخی شواہد کے مطابق حضرت حسین کے اقدام کی یہ نوعیت ثابت ہی نہیں ہوتی۔

حضرت حسین مکہ سے اس لئے نکلے ہی نہیں تھے کہ وہ یزید کو چیلنج کریں اور یزید کی فوجوں سے لڑیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ مکہ سے دمشق جاتے۔ وہ اپنے خاندان کو لے کر، نہ کہ فوج کو لیکر، اس خبر کی بنیاد پر نکلے تھے کہ کوفہ کے لوگوں نے عمومی طور پر آپ کے حق میں بیعت کرلی ہے۔ جب وہ کوفہ کے قریب پہنچے اور معلوم ہوا کہ خبر صحیح نہ تھی۔ نیز یہ کہ کوفہ کے جن لوگوں نے بالواسطہ طور پر آپ کے لئے بیعت کی تھی، وہ سب کے سب اپنی بیعت سے پھر گئے ہیں تو آپ نے واپسی کا فیصلہ کیا۔ کسی بھی تاریخی ریکارڈ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ یزید کے لشکر سے لڑنا چاہتے تھے۔ مگر یزید کو اس کی خبر نہ ہوسکی اور کوفہ کے مقامی حاکم نے حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں کو گھیر کر انھیں لڑنے پر مجبور کر دیا۔ اس لئے کربلا کی لڑائی پیش آئی۔ گویا کربلا کی جنگ مجبورانہ دفاع کے لئے تھی نہ کہ ظالموں کے خلاف جنگی اقدام کے لئے۔

موجودہ زمانہ میں جو "نظریہ جہاد" حضرت حسین کے واقعہ سے نکالا جا رہا ہے وہ یقینی طور پر ایک خود ساختہ نظریہ ہے، اس کا حضرت حسین کے واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔

۹ نومبر کو فجر کی نماز کے بعد مسجد میں درس حدیث کا پروگرام تھا۔ تین حدیثوں کی روشنی میں دین کی حقیقت کو واضح کیا۔ میں نے بتایا کہ اصل مقصد یہ ہے کہ انسان ربانی انسان بن جائے۔ ربانی انسان وہ ہے جس کو عظمت خداوندی کے احساس نے عجز و فروتنی کے درجہ پر پہنچا دیا ہو۔ جس کا ایمان اس سے سرکشی کا احساس چھین لے۔ جس کا حال یہ ہو کہ معاملہ کی وضاحت کے بعد کوئی چیز اس کے لئے اعتراف حق میں رکاوٹ نہ بنے۔

۹ نومبر کو ۱۰ بجے جامعۃ البنات میں خواتین کے ایک اجتماع سے خطاب کا پروگرام تھا۔ کسی قدر

تفصیل کے ساتھ بتایا کہ اسلام میں کس طرح عورت کو عزت کا مقام دیا گیا ہے۔ البتہ عملی تقاضے کی بنا پر اسلام میں عورت اور مرد کے درمیان تقسیم کار کا اصول مقرر کیا گیا ہے۔

اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن میں کچھ وقت گزارا۔ کچھ اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں نے یہ ادارہ قائم کیا ہے۔ اور اس کو اعلیٰ معیار پر چلا رہے ہیں۔ انگریزی ماہنامہ آئی لینڈ (Island) کے شمارہ اگست 1991 میں ایک مضمون چھپا تھا۔ اس میں اس ادارہ کا تعارف کراتے ہوئے جو سرخی قائم کی گئی تھی وہ اس کا بہترین تعارف ہے۔ اس کا عنوان تھا —— پرانے خیالات، نئے طریقے :

Old ideas, new techniques.

اس ادارہ کے پیچھے سب سے زیادہ ڈاکٹر ذاکر نائک اور ڈاکٹر محمد نائک کا ذہن کام کر رہا ہے۔

9 نومبر کی سہ پہر کو فیمنا (Famina) کی خاتون نمائندہ مسز شالینی پردھان نے انٹرویو لیا۔ ان کے سوالات زیادہ تر مسلم خواتین کے رول کے بارہ میں تھے۔

9 نومبر کو نماز مغرب کے بعد انڈین مرچنٹس چیمبر میں تقریر ہوئی۔ موضوع تھا : اسلام داعیٔ امن۔ تقریباً سوا گھنٹہ کی تقریر کے بعد سوال و جواب ہوا۔ اس اجتماع میں بمبئی کے اعلیٰ اذہان شریک ہوئے۔ ہال کی تمام کرسیاں بھری ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ بڑی تعداد میں لوگ کھڑے ہوئے تھے۔

تقریر کے بعد سوال و جواب کا وقفہ ہوا۔ ایک صاحب نے کہا کہ آپ اعراض کی تلقین کرتے ہیں پھر اعراض کب تک۔ میں نے کہا کہ اعراض اس وقت تک جب کہ اعراض کرنے کا امکان ہی سرے سے ختم ہو جائے۔

9 نومبر کو عشاء کی نماز کے بعد سنڈے آبزرور کے نمائندہ مسٹر جاوید آنند سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے اپنے اخبار کے لئے انٹرویو لیا۔ انھوں نے کہا کہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کے خلاف تعصب (Prejudice) ہے۔ اس کے بارہ میں آپ کیا کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ جس چیز کو لوگ تعصب کہتے ہیں، اس کو میں چیلنج کہتا ہوں۔ اور یہ چیلنج ہمیشہ رہے گا۔ کیوں کہ زندگی میں چیلنج کا ہونا کسی انسان کا منصوبہ نہیں۔ یہ خدا کا منصوبہ ہے۔ پھر وہ کیسے ختم ہو سکتا ہے۔ ہم چیلنج کی صورت حال کو ختم نہیں کر سکتے۔ البتہ چیلنج کا مقابلہ کر کے اپنے لئے زندگی کی راہیں تلاش کر سکتے ہیں۔

10 نومبر کو نماز فجر کے بعد جیسمین اپارٹمنٹس کی مسجد میں حدیث کا درس دیا۔ یہ مسجد اپنی ظاہری

صورت کے اعتبار سے مسجد نہیں معلوم ہوتی۔ اس میں گنبد اور مینار جیسی چیزیں موجود نہیں ہیں۔ بمبئی میں نئے عبادت خانہ کی تعمیر کی اجازت مشکل سے ملتی ہے۔ اس بنا پر لوگوں نے ایسا کیا ہے کہ وہ مدرسہ کے نام پر ایک ہال بنا لیتے ہیں اور اس کے اندر تعلیم کے ساتھ نماز بھی ادا کرتے ہیں۔

بمبئی والوں کا یہ طریقہ مجھے پسند آیا۔ آدمی جس ماحول میں ہو وہاں کا ماحول اگر ایک چیز دینے کے لئے تیار نہ ہو تو اس کو اشو بنا کر اس کے لئے ٹکرانا نہ عقل کے مطابق ہے اور نہ اسلام کے مطابق۔ آدمی کو چاہئے کہ جو کچھ مل رہا ہے اس کو لے لے اور بقیہ کے لئے پُر امن طور پر اپنی تعمیری کوشش جاری رکھے۔

بمبئی میں کئی پروگرام ہوئے۔ یہاں کے حلقہ الرسالہ نے تمام پروگراموں کو جس طرح آرگنائز کیا وہ یقیناً قابل تعریف تھا۔ تمام لوگوں نے ایک ٹیم کے انداز میں کام کیا۔ ڈاکٹر عبد الکریم نائک، ڈاکٹر محمد نائک، ڈاکٹر ذاکر نائک، مسٹر افضل لادی والا، ہارون بھائی ہوزری والا، مسٹر فاروق فیصل، مسٹر نسیم علی خاں، مولانا محمت از قاسمی، مسٹر جی ایم صدیقی، مسٹر آفتاب احمد صدیقی وغیرہ اس میں شریک تھے۔ انھوں نے ہر جزء کو پیشگی طور پر منصوبہ بند انداز میں طے کیا اور اس کو حسن وخوبی کے ساتھ تکمیل تک پہنچایا۔ آخر میں ان لوگوں نے تمام پروگرام کا پریس ریلیز انگریزی میں تیار کیا اور اس کو بمبئی کے ۳۶ میگزین اور اخباروں کے نام روانہ کیا۔ کئی پروگراموں کے ویڈیو کیسٹ تیار کرائے۔ جو لوگ ویڈیو کیسٹ بہ قیمت لینا چاہیں وہ ذیل کے پتہ پر خط وکتابت کریں:

Islamic Research Foundation, Masalawala Building, 2nd Floor, 56 Tandel Street North, Dongri, Bombay 400009, India. Tel. 864968

بمبئی کے پروگراموں میں مقامی اخباروں کے نمائندے بھی آتے رہے۔ مسٹر بال ٹھاکرے کے مراٹھی اخبار "سامنا" کا نمائندہ بھی شریک ہوا۔ اس طرح مسٹر بال ٹھاکرے کو میری باتوں کی رپورٹ پہنچتی رہی۔ چنانچہ بال ٹھاکرے نے سامنا کے شمارہ ۱۲ نومبر ۱۹۹۲ میں پورا ایڈیٹوریل اسی کے بارہ میں لکھا۔ جناب فاروق فیصل صاحب نے اس ایڈیٹوریل کا تراشہ اس کے اردو ترجمہ کے ساتھ بھیج دیا ہے۔ اس مفصل ایڈیٹوریل کا ایک حصہ یہ ہے:

"نئی دہلی، اسلامی مرکز کے فاؤنڈر، الرسالہ کے ایڈیٹر مولانا وحید الدین خاں، انھوں

نے کچھ دن پہلے بمبئی میں آکر یہ کہا کہ مسلمانوں کو ہندوؤں سے جھگڑا کرنے سے اوائڈ کرنا چاہئے۔ جھگڑے کو اوائڈ کرنے کا مطلب اپنے حق پر پانی ڈالنا نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے ـــــ آگے بڑھنے کا موقع ڈھونڈھ لو۔ انھوں نے کہا کہ ہندستان کے مسلمان لیڈر آج تک فرقہ وارانہ معاملوں پر بحث کرتے رہے لیکن اس دیش میں مسلمانوں کے لئے آگے بڑھنے کے لئے کتنے مواقع حاصل ہیں اس بارہ میں کبھی چرچا نہیں کی جاتی۔ تعلیم اور روزگار یہ اصلی مسائل آج ہماری قوم کے سامنے کھڑے ہیں لیکن ہمارے لیڈر کئی فالتو مسئلوں پر بڑی سرگرمی سے اپنا قیمتی وقت برباد کر رہے ہیں۔ ہندستان میں مسلمان صرف ایک پروٹسٹ کرنے والی اقلیت بن گئے ہیں۔ اس طرح کی ایمج کو بدل دینا چاہئے۔ دیش کی ترقی کا کام کرنے والی جماعت، یہ ایمج بنانا چاہئے۔ آج تک مسلمان مانگنے والی جماعت بنے رہے۔ اب اس سے آگے بڑھ کر دینے والی قوم کی ایمج بنانا چاہئے۔ ترقی کے ہر ایک میدان میں سب سے اچھا کام کرنے والی قوم، یہ ایمج بنانا چاہئے۔ ترقی کے ہر ایک میدان میں سب سے اچھا کام کرنے والی قوم، یہ ایمج بنانا چاہئے۔ اس طرح کے خیالات مولانا وحید الدین خاں صاحب نے ظاہر کئے ہیں۔ مہاراشٹر کے مسلمان ان خیالات سے کتنا اثر لیتے ہیں اس کا جواب آنے والا وقت ہی دے گا۔"

ہارون بھائی ہوزری والے نے ایک سبق آموز واقعہ بتایا۔ ۴ نومبر کو ایک ہندو بھائی ان کے یہاں سامان خریدنے کے لئے آئے۔ اس دوران انھوں نے اپنی ایک پریشانی کا ذکر کیا۔ ان کو بمبئی سے اندھیری جانا تھا۔ مگر بجلی میں کچھ گڑبڑ ہو جانے کی وجہ سے الکٹرک ٹرینیں رک گئی تھیں۔ ان کے پاس ایک بڑا قالین تھا۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں قالین لے کر گھر پہنچنا ہے۔ اگر ہم ٹیکسی کریں تو وہ سو روپیہ سے زیادہ کرایہ لے گا۔

ہارون بھائی نے کہا کہ آپ قالین ہماری دکان پر رکھ دیں اور کل اس کو یہاں سے منگوا لیں۔ انھوں نے کہا کہ کل دیوالی ہے اور اس قالین کو کل تک اندھیری پہنچ جانا ہے۔ ہارون بھائی نے چاہا کہ ریلوے انکوائری میں ٹیلی فون کرکے ٹرین کی تازہ پوزیشن معلوم کریں۔ مگر بار بار ڈائل کرنے کے باوجود ٹیلی فون سے رابطہ قائم نہ ہو سکا۔ آخر کار ہارون بھائی نے سائیکل کے ذریعہ اپنا آدمی ریلوے اسٹیشن بھیجا۔ وہ پتہ کرکے آیا کہ ٹرینیں چل رہی ہیں۔ وہ لوگ بہت خوش ہوئے اور اپنا قالین لے کر چلے گئے۔

اس دوران میں جب کہ وہ ہارون بھائی کی دکان پر بیٹھے ہوئے تھے، ہارون بھائی نے انگریزی الرسالہ

کا شمارہ ستمبر ۱۹۹۱ انھیں پڑھنے کے لئے دیا۔ اس میں ایک حدیث پڑھ کر انھوں نے کہا:

You have followed this (Hadith). It should be in practice. It should not be only in books.

فاروق فیصل صاحب (پیدائش ۱۹۵۵) نے کہا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ الرسالہ بزدلی سکھاتا ہے۔ مگر میرا تجربہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ میری پیدائش سے قبل تقسیم ہند ہوئی۔ حیدرآباد پولیس ایکشن، ملک کے فسادات اور مسلمانوں کی زبوں حالی کو دیکھ کر مجھے ایسا احساس ہوتا تھا کہ ہم مسلمانوں کی تباہی و بربادی کی تاریخ کا آخری حصہ ہیں۔ چنانچہ ایک طرح کی مایوسی دل ودماغ پر طاری ہوگئی تھی لیکن الرسالہ پڑھ کر احساس ہوا کہ ہم مسلمانوں کی تاریخ کی تباہی و بربادی دیکھنے کے لئے نہیں پیدا ہوئے ہیں۔ بلکہ مسلمانوں کی نئی تاریخ کا باب شروع کرنے کے لئے اس دور میں پیدا کئے گئے ہیں۔ کیا اب بھی لوگ یہ کہیں گے کہ الرسالہ بزدلی سکھاتا ہے ــــ میں سمجھتا تھا کہ میں تاریخ کا آخری حصہ ہوں لیکن الرسالہ پڑھ کر احساس ہونا شروع ہوا کہ میں تاریخ کا اول حصہ بننے والا ہوں۔ تاریخ میرے عمل سے بنے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ الرسالہ اقدام اور حوصلہ مندی سکھاتا ہے نہ کہ بزدلی اور پسپائی۔

بمبئی سے ایک انگریزی اخبار انڈپنڈنٹ چھپنا شروع ہوا ہے۔ یہ کافی آزاد اور غیر جانب دار اخبار ہے اور اعلیٰ حلقوں میں پڑھا جاتا ہے۔ اس کا تعلق ٹائمس آف انڈیا گروپ سے ہے۔ اس کے بارہ میں اپنے تاثر کا اظہار کرتے ہوئے جناب نسیم علی خاں صاحب نے کہا: انڈپنڈنٹ مسلمانوں کے مسائل سمیت تمام ضروری باتیں غیر جانب دارانہ انداز میں شائع کرتا ہے۔ اب کسی مسلمان لیڈر کو علیحدہ سے مسلمانوں کا انگریزی اخبار نکالنے کی ضرورت نہیں۔ وہ خود لکھنا چاہیں تو وہ انڈپنڈنٹ کے صفحات کو کامیابی کے ساتھ استعمال کر سکتے ہیں۔

بمبئی میں کئی اخبار کے نمائندوں نے انٹرویو لیا۔ ان میں اردو، مراٹھی، انگریزی اخبارات شامل تھے۔

ڈاکٹر رفیق زکریا بمبئی کی ایک معروف شخصیت ہیں۔ انھوں نے ایک انٹرویو کے دوران کہا تھا کہ انھوں نے سلمان رشدی کی کتاب "شیطانی آیات" کے جواب میں ایک کتاب محمد اور قرآن (انگریزی) لکھی۔ اس کتاب کو رشدی کی کتاب ہی کے پبلشر پنگوئن (Penguin Books) نے شائع کیا

جس کی مثالیں امریکہ، برطانیہ اور ہندستان میں ہیں۔ یہ کتاب آج پوری دنیا میں بڑے پیمانے پر فروخت ہو رہی ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا کرم ہے کہ اس کتاب کا خود پنگوئن والوں پر اتنا زبردست اثر ہوا کہ انھوں نے معاہدہ کے باوجود رشدی کی کتاب کا پیپر بیک اڈیشن نکالنے سے انکار کر دیا (نئی دنیا ۱۳ اپریل ۱۹۹۲)

اس سے مثبت انداز کار کی غیر معمولی اثر انگیزی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مذکورہ مثال کے مطابق سلمان رشدی کی بیہودہ کتاب کے جواب میں اسلام پر ایک صحیح تعارفی کتاب تیار کی گئی۔ اس کتاب کو "شیطانی آیات" کے پبلشر ہی نے اپنے یہاں سے شائع کیا اور پھر ہر جگہ اس کو پڑھا جانے لگا۔ مزید یہ کہ خود پبلشر پر اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ شیطانی آیات کی مزید اشاعت سے باز آگیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مثبت طریق کار میں معجزاتی تاثیر چھپی ہوئی ہے، بشرطیکہ اس کو صحیح طور پر استعمال کیا جائے۔

"گاڈ ارائزز" کا ترجمہ مراٹھی زبان میں ایک ہندو پروفیسر نے کیا ہے۔ اس سلسلہ میں فاروق فیصل صاحب نے بتایا کہ یہ ترجمہ اب بمبئی میں جی ایم صدیقی صاحب کے پاس پہنچ چکا ہے۔ توقع ہے کہ انشاء اللہ وہ جلد ہی شائع ہو سکے گا۔

سفر سے واپسی کے بعد بمبئی سے کچھ لوگوں کے خطوط موصول ہوئے۔ جناب محمد یسین تاڑے (Tel. 6115718) لکھتے ہیں: الحمد للہ بندہ آپ کے بمبئی کے پروگرام میں حاضر تھا۔ اور آپ کی تقریر سے بے حد متاثر ہوا۔ اللہ آپ کی عمر دراز کرے۔ اور اسی طرح امت مسلمہ آپ کی کاوشوں سے بہرہ ور ہو، آمین۔

جناب محمد افضل لادی والا (کرلا) اپنے خط میں لکھتے ہیں: بمبئی میں آپ کا پروگرام الحمد للہ بے حد کامیاب رہا۔ اللہ رب العزت کے کروروں احسانات ہیں کہ سارے پروگرام حسب منشا خوب سے خوب تر رہے۔ لوگوں کے دماغ ہی نہیں روح تک کو آپ نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ کئی لوگ ایسے بھی آئے کہ ہم کو مولانا کا پروگرام رکھنا ہے۔ مگر وقت کی کمی کے سبب یہ ممکن نہ تھا۔ انشاء اللہ آپ کے اگلے دورہ میں اس سے بہتر پروگرام رکھیں گے۔ آئندہ آپ کو کم از کم دس روز بمبئی کے لئے دینا ہوگا۔ آپ کے ساتھ بمبئی میں سہ روزہ پروگرام کے دوران جو وقت گزرا وہ مجموعی طور پر زندگی کا بہترین وقت

گزرتا ہے۔ جو روحانی کیفیت ان اجتماعات میں حاصل ہوئی اس کا بیان قلم سے ممکن نہیں۔ یہ مبالغہ نہیں حقیقت بیانی ہے۔

حسب پروگرام ۱۰ نومبر کی شام کو ۱۰ بجے سدیشور اکسپریس کے ذریعہ بمبئی سے سولاپور کے لئے روانگی ہوئی۔ بمبئی میں مسلسل پروگرام کی وجہ سے دماغ بالکل تھک گیا تھا۔ رات کو بہت اچھی نیند آگئی۔ صبح اٹھا تو ابھی دو گھنٹے کا سفر باقی تھا۔ یہ سفر ایک رفیق سفر کی وجہ سے بہت آسانی کے ساتھ طے ہوگیا۔ یہ ایک ریلوے افسر تھے جو پونہ سے رات کے وقت سوار ہوئے تھے اور وہ بھی سولاپور جا رہے تھے :

P.K.A. Narayan, Divisional Personnel Officer, Central Railway, Solapur.

موصوف کے ساتھ دو اور ریلوے افسر تھے۔ ان سے گفتگو کرتے ہوئے وہ بار بار لطیفے بیان کرتے تھے۔ خود بھی ہنستے رہے اور دوسروں کو بھی ہنساتے رہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ اس قسم کے لطیفے صرف لوگوں کو ہنسانے کے لئے بیان کرتے ہیں یا اپنا ٹنشن نکالنے کے لئے۔ انھوں نے کہا کہ اپنا ٹنشن نکالنے کے لئے۔

مزید گفتگو کے دوران انھوں نے کہا "مجھ کو قرآن کی ایک کاپی ہونا" میں نے سولاپور کے ایک ساتھی سے کہا کہ وہ موصوف سے ملیں اور ان کو قرآن کا انگریزی یا ہندی ترجمہ پہنچا دیں۔

موصوف نے ایک دلچسپ بات بتائی۔ آپ کوئی کاغذ لے کر اس کو فولڈ کریں۔ سات موڑ کے بعد اس کو مزید موڑنا سخت مشکل ہو جائے گا۔ کاغذ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ ہم نے پہلے ایک چھوٹا کاغذ (لیٹر ہیڈ) لے کر موڑنا شروع کیا۔ وہ سات موڑ پر پہنچ کر رک گیا۔ پھر انگریزی اخبار کا بڑا کاغذ لیا۔ وہ بھی سات موڑ پر پہنچ کر رک گیا۔ دوسرے ریلوے افسر مسٹر گرگ نے کہا کہ ہر چیز کی ایک تکمیلی حد (Saturating point) ہے۔ اس حد تک پہنچنے کے بعد انسان آگے نہیں جا سکتا۔ کاغذ کی فولڈنگ کی ایک حد ہے۔ اسی طرح ہر چیز کی ایک حد ہے۔

سولاپور کی وجہ تسمیہ کے بارہ میں کئی رائیں ہیں۔ ایک خیال یہ ہے کہ یہ سولہ پور ہے۔ ابتداءً یہاں سولہ گاؤں تھے۔ ان سب کو ملا کر شہر بنایا گیا۔ اس طرح اس کا نام سولاپور ہوگیا۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ یہ ابتداءً شعلہ پور تھا۔ اس کے بعد وہ شولاپور بنا، اور پھر سولاپور ہوگیا۔

سولاپور میں بہت سے لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ عبد الواحد عبد الغفور شیخ اور زاہد علی خاں وغیرہ سے مسلسل ربط رہا۔ جناب زاہد علی خاں صاحب (پیدائش ۱۹۴۱) نے ایک موقع پر بہت بامعنی بات کہی۔ انھوں نے کہا کہ حکمت بھوک میں رکھی گئی ہے اور لوگ حکمت کو شکم سیری میں ڈھونڈ رہے ہیں۔

قدیم زمانہ میں شولاپور میں دیوگری یادو کا راج تھا۔ پھر وہ مسلم بہمنی سلطنت کا جزء بنا۔ اس کے بعد اس پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ ۱۹۴۷ سے وہ تقسیم کے بعد بننے والے ملک (بھارت) کا ایک حصہ ہے۔ یہی مطلب ہے قرآن کی اس آیت کا جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان ایام کو ہم لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں (آل عمران ۱۴۰)

حکومتی اقتدار اس دنیا میں کسی ایک گروہ کی میراث نہیں ہے۔ یہ خدا کی سنت ابتلاء کے تحت بدلتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی ایک گروہ کو سیاسی غلبہ دیتے ہیں اور کبھی دوسرے گروہ کو۔ کسی گروہ کو سیاسی اقتدار ملے تب بھی وہ اس کے لئے امتحان ہے اور کسی گروہ سے سیاسی اقتدار چھن جائے تب بھی وہ اس کے لئے امتحان۔ آدمی کو چاہئے کہ دونوں حالتوں میں وہ اپنی ذمہ داریوں پر دھیان دے۔ نہ کہ اقتدار ملنے پر احساس برتری میں مبتلا ہو اور اقتدار چھنے تو احساس کمتری کا شکار ہو جائے۔

۱۱ نومبر ۱۹۹۱ کی صبح کو میں سولاپور پہنچا۔ یہاں میرا قیام ڈاک بنگلہ میں تھا۔ مقامی ساتھیوں سے کچھ دیر ملاقات کرنے کے بعد ہوٹل کنارہ گیا۔ وہاں پریس کانفرنس ہوئی۔ ایک درجن سے زیادہ اخبارات کے ایڈیٹر اور نامہ نگار جمع ہو گئے۔ ان میں سے ایک اردو اخبار کے اڈیٹر تھے۔ بقیہ مرہٹی اخبارات سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے۔

ابتدائی گفتگو کے بعد سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایک مرہٹی اخبار کے نمائندہ نے کہا کہ سب سے ضروری کام مذہبی نفرت کو ختم کرنا ہے۔ میں نے کہا کہ موجودہ زمانہ میں جس چیز کو مذہبی منافرت کہا جاتا ہے وہ حقیقۃً قومی منافرت کا دوسرا نام ہے۔ اس کو ہم ختم نہیں کر سکتے۔ البتہ حسن تدبیر سے اپنے آپ کو اس کے نقصان سے بچا سکتے ہیں۔ اور وہ حسن تدبیر رواداری (tolerance) ہے۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

شولاپور کا ایک خصوصی پروگرام روٹری کلب کے زیر انتظام ہوا۔ روٹری کلب یا روٹری انٹرنیشنل (Rotary International) ایک سروس کلب ہے۔ اس کو ۱۹۰۵ میں شکاگو کے ایک اٹارنی مسٹر پال ہیرس (Paul P. Harris) نے قائم کیا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ بزنس اور پروفیشن میں اعلیٰ اخلاقی معیار پیدا کیا جائے۔ اور تاجروں اور پروفیشنل لوگوں کے درمیان عالمی روابط قائم کئے جائیں۔ اس وقت ڈیڑھ سو ملکوں میں اس کے تقریباً سات لاکھ ممبر پائے جاتے ہیں۔ اس کا ہیڈ کوارٹر امریکہ کے شہر ایونسٹن (Evanston) میں ہے۔

روٹری کے موجودہ عالمی پریسیڈنٹ راجندر سابو (Rajendra K. Saboo) ہیں۔ روٹری نظریہ کے مطابق، روٹرین (Rotarian) سے ان کا کہنا ہے کہ اپنے آپ سے آگے دیکھو (Look beyond yourself) روٹری نیوز کے شمارہ اگست ۱۹۹۱ میں ان کا پیغام چھپا ہے۔ اس کا خلاصہ اُن کے اِن الفاظ میں ہے —— اپنے کام کا نقشہ بناؤ اور اپنے نقشہ کو عمل میں لاؤ:

Plan your work, work your plan.

۱۱ نومبر کو مجھے سولاپور کے قمرالنساء ویمنس اسکول میں جانا ہوا۔ وہاں کے ایک بڑے کمرہ میں ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے کی دیوار پر دنیا کا ایک بڑا نقشہ بنایا گیا تھا۔ اس میں سوویت یونین کے اوپر لکھا ہوا تھا؛ متحدہ سوویت سوشلسٹ جمہوریت۔ میں نے کہا کہ برسوں پہلے جب یہ الفاظ لکھے گئے تھے اس وقت وہ مطابق واقعہ تھے۔ مگر اب وہ خلاف واقعہ بن چکے ہیں۔ کیوں کہ اب سوویت یونین سوویت ڈس یونین میں تبدیل ہو چکا ہے۔

گویا یہ دیوار ابھی تک گزرے ہوئے دور میں جی رہی ہے۔ وہ زمانہ حاضر میں داخل نہیں ہوئی۔ یہی حال مسلم دانشوروں کا ہے۔ وہ زمانہ حاضر سے بے خبر ہیں۔ وہ صرف گزرے ہوئے ماضی کو جانتے ہیں اور اسی کو سوچ سوچ کر اس سے اپنے لئے فخر کی غذا لیتے ہیں۔

۱۱ نومبر کو ۳ بجے خواتین کا اجتماع ہوا۔ یہ اجتماع ویمنس کالج کے احاطہ میں ہوا۔ اپنی تقریر میں میں نے کہا کہ ہمارے یہاں پچاس سال سے سماجی لیڈر اٹھ رہے ہیں۔ مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ کیوں کہ ان کی سوچ تمام تر مبنی بر نظام (system-based) ہے۔ وہ ایک کے بعد ایک حکومت کو توڑنے میں لگے ہوئے ہیں۔ حکومت بدل جاتی ہے مگر سماج نہیں بدلتا۔

میں نے کہا کہ صحیح سوچ وہ ہے جو مبنی بر فرد (individual based) ہو۔ یعنی فرد کو اصلاح یافتہ بنانا۔ یہ کام سب سے زیادہ عورتوں کے کرنے کا ہے۔ کسی قوم کی نسل سب سے پہلے عورت کی تحویل میں آتی ہے۔ اگر عورت یہ فیصلہ کر لے کہ ہمیں قوم کے افراد میں کیریکٹر پیدا کرنا ہے تو ہر گھر اصلاح افراد کا کارخانہ بن جائے۔ اس طرح کے افراد جب سماج کا مجموعہ بنیں گے تو ان کے ذریعہ پورا سماج بہتر سماج بن جائے گا۔

۱۱ نومبر کو نماز مغرب کے بعد جامع مسجد میں تقریر ہوئی۔ موضوع تھا: روشن مستقبل۔ میں نے ایک گھنٹہ کی تقریر میں بتایا کہ مسلمانوں کا مستقبل اس ملک میں دینی اعتبار سے بھی روشن ہے اور معاشی اعتبار سے بھی۔ دینی اعتبار سے اس لئے کہ اسلام غیر محرف مذہب ہونے کی بنا پر اپنے اندر تسخیری طاقت رکھتا ہے۔ اور معاشی اعتبار سے اس لئے کہ صنعتی انفجار کے بعد معاشی ذرائع اتنے زیادہ بڑھ چکے ہیں کہ اب کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی آپ کو معاشی ترقی سے روک نہیں سکتی۔

۱۱ نومبر کو عشاء کی نماز کے بعد ہوٹل پریتم میں تقریر ہوئی۔ اس کا عنوان تھا: اسلام اور سائنس یہ اجتماع روٹری کلب کی طرف سے کیا گیا تھا۔ اس کی نشست ہوٹل کے خوب صورت لان میں ہوئی۔ وسیع لان مکمل طور سے بھرا ہوا تھا۔ ایک صاحب نے کہا کہ ایسا اجتماع یہاں کبھی نہیں دیکھا گیا!

میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ موجودہ زمانہ کے مسلمان سائنس میں پچھڑ گئے ہیں۔ مگر اس کا تعلق اسلام سے نہیں۔ اسلام تو جدید سائنس کا خالق ہے۔ پھر وہ اس کا مخالف کس طرح ہو سکتا ہے۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کی تقریر میں مختلف مثالوں سے اس کو واضح کیا۔ تقریر کے بعد سوال وجواب کے وقفہ میں ایک صاحب نے کہا کہ سائنس میں پچھڑ جانے کے بعد کیا مسلمان ترقی کر سکیں گے۔ میں نے مختصر جواب دیتے ہوئے کہا: زندہ تو رہیں گے، مگر ترقی نہ کر سکیں گے۔

۱۲ نومبر کو سولا پور کی مودی مسجد میں نماز ظہر کے بعد ایک تقریر تھی۔ اس کا عنوان تھا: اسلامی دعوت کے جدید امکانات۔ میں نے سادہ انداز میں بتایا کہ موجودہ زمانہ میں کس طرح دعوت کی اشاعت کے لئے موثر امکانات پیدا ہو گئے ہیں جن کو استعمال کر کے دین کو وسیع پیمانہ پر پھیلایا جا سکتا ہے۔

۱۲ نومبر کی سہ پہر کو ایک سمپوزیم کا پروگرام تھا۔ اس کا اہتمام قومی ایکتا کمیٹی کی طرف سے کیا گیا تھا۔

یہ اجتماع دمانی ہال میں کیا گیا۔ مختلف لوگوں نے تقریریں کیں۔ میں نے اپنی تقریر میں بتایا کہ ۳۰ سال پہلے نیشنل انٹگریشن کونسل قائم ہوئی۔ مگر وہ مکمل طور پر فیل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے سامنے کوئی واضح میتھڈالوجی نہیں۔ ایکتا کا راز انیکتا کو گوارا کرنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قومی ایکتا کی بنیاد انٹگریشن نہیں ہے بلکہ ٹالریشن ہے۔

۱۲ نومبر کو نماز مغرب کے بعد مکہ مسجد میں تقریر ہوئی۔ اس کا عنوان تھا: "داعی کی ذمہ داریاں' قرآن اور سنت رسول کی روشنی میں اس کی وضاحت کی۔ میں نے کہا کہ داعی کو مدعو کا خیر خواہ ہونا چاہئے۔ جس کو قرآن میں ناصح کہا گیا ہے۔ اور داعی کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو امین سمجھے۔ وہ مدعو پر احسان کرنے والا نہیں ہے بلکہ وہ مدعو کی امانت ادا کرنے والا ہے۔ اسی کے ساتھ مدعو کے اندر صبر کی صفت ہونا چاہئے۔ تاکہ وہ مدعو کی زیادتیوں کو نظر انداز کر کے اپنی دعوتی ذمہ داریوں کو ادا کر سکے۔

۱۲ نومبر کو عشاء کے بعد سوشل ہائی اسکول میں تقریر ہوئی۔ اس کا عنوان تھا: اسلام میں تعلیم کی اہمیت۔ یہ تقریر زیادہ مفصل تھی۔ دور اول کی مثالوں سے میں نے بتایا کہ اسلام میں علم اور تعلیم کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ ہر دوسری مصلحت کو نظر انداز کر کے اس کو اختیار کرنا چاہئے۔

۱۳ نومبر کی صبح کو سولا پور سے پونہ کے لئے واپسی ہوئی۔ راستہ میں عزیز الحق صاحب کا ساتھ تھا۔ وہ ٹونک میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق ایک درزی گھرانے سے تھا۔ ان کے بڑے بھائی پونہ میں ایک مسجد میں امام تھے۔ عزیز الحق صاحب سلائی، کٹائی کا کام سیکھنے کے بعد روزگار کی تلاش میں ۱۹۶۱ میں پونہ آئے۔ یہاں دو مہینہ تک کام کی تلاش میں پھرتے رہے۔ مگر کام نہ ملا۔ آخر کار انھوں نے ارادہ کیا کہ اپنے وطن ٹونک واپس چلے جائیں۔ مگر بڑے بھائی نے روکا اور کہا کہ چند دن اور کوشش کر لو۔

ایک روز وہ پونہ کے بازار میں نکلے۔ ایک جگہ ایک گجراتی ہندو کی ٹیلرنگ کی بڑی دکان تھی۔ وہ دکان میں داخل ہوئے "سیٹھ" سے کہا کہ ہم کو کام چاہئے۔ اس نے پوچھا، کیا تم سوٹ کی کٹنگ کا کام جانتے ہو۔ انھوں نے کہا ہاں۔ مگر اس وقت عزیز الحق صاحب کی عمر صرف ۱۸ سال تھی۔ سیٹھ کو یقین نہیں آیا کہ وہ اچھی کٹنگ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ان کو لینے میں اسے تامل ہوا۔ عزیز الحق صاحب نے سیٹھ سے کہا کہ آپ مجھ کو فی الحال عارضی طور پر رکھ لیں۔ اس کے بعد آپ جس سوٹ کی کٹنگ اور سلائی کا کام مجھے دیں اس کے کپڑے کی پوری قیمت ضمانت کے طور پر میری طرف سے رکھ لیں۔ اگر میرا تیار کیا ہوا سوٹ آپ کو

اور گاہک کو پسند نہ آئے تو ضمانت کی رقم آپ کی اور سوٹ میرا۔

اگلے دن عزیز الحق صاحب پانچ سو روپیہ لے کر دوبارہ مذکورہ ٹیلرنگ ہاؤس میں پہنچے اور سیٹھ کو روپیہ پیش کیا۔ مگر سیٹھ نے روپیہ نہیں لیا۔ اس نے کہا کہ پیسہ کی کوئی بات نہیں ہے۔ تم کام شروع کر دو ـــــ عزیز الحق صاحب کا پر اعتماد انداز ان کی ظاہری کمی کی تلافی بن گیا۔

محمد عمر (۲۳ سال) ہمارے ڈرائیور تھے۔ وہ سولاپور کے رہنے والے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ وہ چار سال سے گاڑی چلا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کبھی ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ انھوں نے کہا کہ نہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ سڑک پر ایکسیڈنٹ نہ ہونے کی تدبیر کیا ہے۔ انھوں نے کہا: آگے کو دیکھتے رہنا اور گاڑی پر کنٹرول رکھنا ـــــ یہی وسیع تر معنوں میں سفر حیات کی کامیابی کا راز ہے۔

۱۳ نومبر اس سفر کا آخری دن تھا۔ مغرب کی نماز نیو ایرا کالونی (پونہ) کی مسجد میں پڑھی۔ یہ پونہ کی ایک کھلی ہوئی صاف ستھری کالونی ہے۔ یہاں ایک خوبصورت مسجد بنی ہے۔ مغرب سے پہلے حاجی یونس آدم صاحب کی رہائش گاہ پر کچھ لوگ جمع ہو گئے۔ یہاں تذکیری انداز میں کچھ باتیں عرض کی گئیں۔ ایک صاحب نے پوچھا کہ انڈیا میں مسلمانوں کی انتخابی سیاست کیا ہونا چاہئے۔ میں نے کہا کہ تقریباً بیس سال سے میں یہ کہتا رہا ہوں کہ اس معاملہ میں ملکی سطح پر مسلمانوں کی کوئی واحد سیاسی پالیسی ہونا ان کے لئے مفید نہیں ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ مقامی حالات کے اعتبار سے اپنی پالیسی بنائیں اور مقامی اعتبار سے جو نمائندہ انھیں اپنے لئے موزوں اور مفید نظر آئے اس کو ووٹ دیں۔

اس کے بعد میں نے دو حدیثوں کی روشنی میں ایک تذکیری درس دیا۔ ایک حدیث: لكل امة فتنة وفتنة امتي المال۔ دوسری حدیث: كل محدث بدعة وكل بدعة ضلالة۔

۱۴ نومبر کی شام کو واپسی ہوئی۔ پونہ سے دہلی کا سفر انڈین ایئر لائنز کی فلائٹ ۴۵۰ کے ذریعہ طے ہوا۔ ایئر پورٹ پر میں جہاز کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ سامنے کی دیوار پر ٹیلیفون لگا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ میرے پاس کی سیٹ سے ایک صاحب اٹھے۔ وہ چلتے ہوئے ٹیلیفون تک پہنچے۔ اس کو ڈائل کر کے اس کے اندر ایک روپیہ کا سکہ ڈالا اور پھر خاص انداز میں کھڑے ہو کر بات کرنے لگے۔ ان کی ہر حرکت سے فاتحانہ تبختر کا انداز جھلک رہا تھا۔ ان کی ہیئت بظاہر یہ کہہ رہی تھی ـــــ میری جیب میں پیسہ ہے،

میں ٹیلی فون کر سکتا ہوں۔

موجودہ زمانہ میں جو چیز سب سے زیادہ اٹھ گئی ہے وہ شکر ہے۔ صنعتی انفجار کے بعد چاہئے تھا کہ انسان ہمیشہ سے زیادہ شکر کرنے والا بن جائے، مگر اس کے بعد وہ ہمیشہ سے زیادہ ناشکری کرنے والا بن گیا۔

دوران پرواز کھانے کی سروس شروع ہوئی تو ایر ہاسٹس نے پوچھا ——— ویجیٹیرین یا نان ویجیٹیرین۔ میری زبان سے نکل گیا نان ویجیٹیرین۔ جب کھانا سامنے آیا اس وقت مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ سالن کی پلیٹ فوراً ہٹادی اور روٹی اور کھیر کھانے پر اکتفا کیا ——— اختیار کے دائرہ میں بھی انسان کتنا زیادہ بے اختیار ہے۔

" تھوڑی دیر میں ہم دہلی کے ہوائی اڈہ پر اترنے والے ہیں "۔ اناونسر کی آواز کان میں آئی۔ میں نے سوچا کہ اب میں پونہ سے دور اور دہلی سے قریب ہوں۔ پھر اس حقیقت کی طرف دھیان گیا کہ اب میری عمر ۶۷ سال ہو چکی ہے۔ خیال آیا کہ میں بھی زندگی سے دور اور موت سے قریب پہنچ چکا ہوں۔ دنیا میرے پیچھے ہے اور آخرت میرے آگے۔ انسانوں کے درمیان کچھ دن گزار کر اب میں وہاں پہنچنے والا ہوں جہاں میرا سامنا رب العالمین سے ہوگا۔

دل سے یہ دعا نکلی کہ خدایا، جس طرح تو نے موجودہ منزل تک حفاظت کے ساتھ پہنچایا ہے اسی طرح اگلی منزل تک بھی حفاظت کے ساتھ پہنچا دے۔ دنیا سے آخرت تک میرے ساتھ خیریت کا معاملہ فرما۔

واپسی کے بعد شولاپور سے جناب زاہد علی خاں صاحب کا خط ملا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: شولاپور میں آپ کے پروگرام کی رپورٹ مرہٹی میں مقامی اخبارات کو دے دی ہے۔ آپ سے شولاپور میں مختصر سی ملاقات ایک حقیقی خواب کی تعبیر دے گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ سنجیدہ مشن ہی پیغمبرانہ مشن کی صحیح اتباع ہے۔ اللہ اور رسول کی مرضی حاصل کرنے کی کوشش پر چاہے کتنی ہی سخت مخالفت ہو ہر مومن کو آپ کا ساتھ ثابت قدمی کے ساتھ دینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ آپ کو الرسالہ مشن کے سفر کی اعلیٰ ترین کامیابیاں صحت کاملہ کے ساتھ نصیب کرتا رہے۔ آمین ثم آمین۔ شولاپور کے پروگرام کو کامیاب بنانے میں جن لوگوں کا تعاون حاصل ہوا ان میں حسب ذیل حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

شری بالاصاحب جادھو ، شری موہن پسنور ، شری کے سی مڈسے ، شری شانتی لال بٹڈا ، شری رمیش اگروال ، وغیرہ ۔

ڈاکٹر رمیش ایشور داس اگروال (سکریٹری روٹری کلب ، سولاپور) کی طرف سے ایک خط مورخہ ۲۹ نومبر ۱۹۹۱ موصول ہوا ہے ۔ اس کا ایک حصہ یہ ہے :

We were very pleased to hear you on a rather rare subject – Islam and science. Your lecture has really clarified the doubts from the minds of the audience so for as Islamic contributions to the development of science is concerned.

## دس سفر

۶ دسمبر ۱۹۹۲ کو اجودھیا کا حادثہ پیش آنے کے بعد صدر اسلامی مرکز نے ہندستان کے مختلف حصوں کے سفر کیے ۔ اور وسیع پیمانہ پر برادرانِ وطن سے نیز مسلمانوں سے ربط قائم کیا ۔ ذمہ دار شخصیتوں سے ملاقاتیں کیں اور کانفرنسوں کو خطاب کیا ۔ ان سرگرمیوں کی روداد تیار ہو کر زیر کتابت ہے ۔ انشاء اللہ جلد ہی ان کو دس سفر کے نام سے ایک کتاب کی صورت میں شائع کیا جائے گا ۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ

## خبرنامہ اسلامی مرکز ۹۰

۱۔ بھوپال کا کل ہند اسلامی اجتماع (اکتوبر ۱۹۹۲) کی روداد ڈاکٹر حمید اللہ ندوی اور مولانا محمد صدیق قاسمی تیار کر رہے ہیں۔ تیاری کے بعد انشاء اللہ اس کو مکمل طور پر شائع کر دیا جائے گا۔

۲۔ مولانا اکبر الدین قاسمی اپنے خط میں اطلاع دیتے ہیں: حیدرآباد میں "الرسالہ فورم" کے قیام کے بعد اس کے چار باقاعدہ اجلاس ہو چکے ہیں۔ الحمد للہ کہ لوگ ان خطوط پر سرگرام ہیں۔ ۲۵ اپریل کے اجلاس میں ایک درجن ذمہ دار افراد شریک ہوئے۔ سہ نکاتی فارمولا، شہر میں گروپ میٹنگ، ماہانہ اجتماع وغیرہ کی بابت امور طے پائے۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ مستقل دفتر کے لیے مناسب جگہ کی تلاش کی جائے۔ اس کا آخری اجلاس ۲۵ مئی ۱۹۹۳ کو ہوا ہے:

Maulana Syed Akbaruddin Qasimi, Jamia Riazul Islam, Uppal (V), Hyderabad (A.P.) Tel. 527774

۳۔ ہندی اخبار ویر ارجن کے نمائندہ مسٹر سدانند پانڈے نے ۴ مئی ۱۹۹۳ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات وجوابات کا تعلق زیادہ تر اس معاملہ سے تھا کہ ہندستانی مسلمانوں کا بنیادی مسئلہ کیا ہے اور اس کو موجودہ حالات میں کس طرح حل کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ لوک سوراج اندولن کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے پٹنہ کا سفر کیا۔ ۱۱-۱۲ اپریل ۱۹۹۳ کے درمیان وہاں کئی تقریریں کیں۔ ۱۲ اپریل کی سہ پہر کو ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ کئی اخبارات کے نمائندوں کو تفصیلی انٹرویو دیے۔ مختلف ہندو اور مسلم شخصیتوں سے ملاقاتیں کیں۔

۵۔ ہندستان ٹائمس کی نمائندہ کم کم چڈھا نے ۱۶ اپریل ۱۹۹۳ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر مسلم پرسنل لا سے متعلق مسائل سے تھا۔ یہ انٹرویو ہندستان ٹائمس کے سنڈے اڈیشن ۲۵ اپریل ۱۹۹۳ میں شائع ہوا ہے۔

۶۔ کالی کٹ سے نکلنے والے ملیالم روزنامہ مدھیامم (Madhyamam) کے نمائندہ مسٹر اے رشید الدین نے ۱۴ اپریل ۱۹۹۳ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر موجودہ مسلم مسائل سے تھا۔

۷- اعلیٰ تعلیم یافتہ اصحاب کی ایک میٹنگ ۱۰ اپریل ۱۹۹۳ کو انڈین لا انسٹی ٹیوٹ (نئی دہلی) میں ہوئی۔ اس کا موضوع نیشن بلڈنگ کے سوال پر گفت گو کرنا تھا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز اس میں شریک ہوئے اور اپنا نقطۂ نظر تفصیل کے ساتھ پیش کیا۔ عام طور پر لوگوں نے پسند کیا۔

۸- مسٹر راجندر گپتا (گریٹر کیلاش، نئی دہلی) کی رہائش گاہ پر ۲۳ اپریل ۱۹۹۳ کو ایک میٹنگ ہوئی۔ اس میں تقریباً چالیس کی تعداد میں اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد شریک ہوئے۔ اس کا موضوع بحث کامن سول کوڈ تھا۔ ان کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور اپنی تقریر میں اسلامی نقطۂ نظر کو بیان کیا۔

۹- گاندھی اسمارک ندھی (نئی دہلی) میں ۲۰ اپریل ۱۹۹۳ کو تعلیم یافتہ افراد کی ایک میٹنگ ہوئی۔ اس میں سرودیہ سماج سے تعلق رکھنے والے افراد اکٹھا ہوئے۔ ان کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی۔ اور شانتی اور کمیونل ہارمنی کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

۱۰- ٹائمس آف انڈیا کے اسپیشل کرسپانڈنٹ مسٹر عسکری ایچ زیدی نے ۲۰ اپریل ۱۹۹۳ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ انٹرویو کا تعلق زیادہ تر اجودھیا کے بعد پیش آنے والے مسلم مسائل سے تھا۔

۱۱- انگریزی ہفت روزہ (Frontline) کے نمائندہ مسٹر ایس کے پانڈے نے ۲۴ اپریل ۱۹۹۳ کو صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ انٹرویو کا تعلق زیادہ تر ۶ دسمبر ۱۹۹۲ کے بعد کے حالات و امکانات سے متعلق تھا۔

۱۲- نئی دہلی کے صحافتی ادارہ (Contemporary News & Features) کے نمائندہ مسٹر نجم الحسن نے ۲۸ اپریل ۱۹۹۳ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر اس امر سے تھا کہ ۱۹۴۷ کے بعد ہندستانی مسلمانوں کے احوال کیا ہیں اور ان کے مسائل کا حل کیا ہے۔

۱۳- ۳۰ اپریل ۱۹۹۳ کو نئی دہلی کی فرنچ نیوز ایجنسی (French News Agency) نے ٹیلی فون پر صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر اس بات سے تھا کہ ۶ دسمبر ۱۹۹۲ کے بعد کیا مسلم عوام کی سوچ میں کوئی تبدیلی آئی ہے۔ اور یہ کہ جو بعض مسلم افراد یہ مانگ

کر رہے ہیں کہ "مسجد دوبارہ وہیں بناؤ" یہ مسلم عوام کی آواز ہے یا ان کی اپنی بات ہے۔
اس سلسلہ میں اپنا نقطۂ نظر بتایا گیا۔

۱۴- نئی دہلی کے پندرہ روزہ انگریزی میگزین سیکولا (Secula) کے نمائندہ مسٹر اسامہ منظر نے ۲۸ اپریل ۱۹۹۳ کی شام کو صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر سیکولرزم اور مسلمان سے تھا، ان کو بتایا گیا کہ انڈیا میں مسلمانوں کے لیے ہر قسم کے مواقع موجود ہیں، بشرطیکہ وہ دانش مندانہ انداز میں زندگی گزارنا سیکھ لیں۔

۱۵- روزنامہ قومی آواز کے نمائندہ مسٹر معصوم مراد آبادی نے یکم مئی ۱۹۹۳ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر ہندستانی مسلمانوں کے مسائل سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں بتایا گیا کہ ہندستانی مسلمانوں کے مسائل خود مسلمانوں ہی کے پیدا کردہ ہیں اور مسلمانوں کی اپنی کوشش ہی سے وہ حل کیے جا سکتے ہیں۔

۱۶- مصری جرنلسٹ بدوی محمود ۳ مئی ۱۹۹۳ کو اسلامی مرکز آئے اور قاہرہ کے عربی جریدہ الجمہوریۃ کے لیے صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ انٹرویو کافی مفصل تھا۔ سوالات زیادہ تر ہندستانی مسلمانوں کے حالات اور ہندستانی مسلمانوں اور عرب ملکوں سے تعلقات کے بارہ میں تھے۔

۱۷- دہلی کے ہندی روزنامہ ویر ارجن کے دفتر میں ۱۱ مئی ۱۹۹۳ کو ایک میٹنگ ہوئی جس میں اخبار کے ادارتی اسٹاف کے لوگ جمع ہوئے۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی۔ اور تین نکاتی فارمولے کی وضاحت کی۔ آخر میں کچھ سوالات کیے گئے جس کا جواب دیا گیا۔

۱۸- ۸ مئی ۱۹۹۳ کو گول مارکٹ (نئی دہلی) میں تعلیم یافتہ افراد کی ایک میٹنگ ہوئی۔ صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی۔ سوال وجواب میں یہاں موجودہ مسلم مسائل پر گفتگو ہوئی۔

۱۹- بمبئی کے انگریزی اخبار مڈڈے (MID-DAY) کے نمائندہ نے صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ یہ انٹرویو اخبار مذکور کے شمارہ ۱۲ مئی ۱۹۹۳ میں شائع ہوا ہے۔ سوال وجواب کا تعلق زیادہ تر ملی مسائل سے تھا۔

# ایجنسی الرسالہ

ماہنامہ الرسالہ بیک وقت اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ اردو الرسالہ کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ ہندی اور انگریزی الرسالہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہونچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہونچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہونچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملّت کی ذہنی تعمیر میں حصّہ لینا ہے جو آج ملّت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (ہندی اور انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوّت ہے اور ملّت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

## ایجنسی کی صورتیں

۱۔ الرسالہ (اردو، ہندی یا انگریزی) کی ایجنسی کم ازکم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ ۱۰۰ پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن ۳۳ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمے ہوتے ہیں۔

۲۔ زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کیے جاتے ہیں۔

۳۔ کم تعداد کی ایجنسی کے لیے ادائگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحبِ ایجنسی ہر ماہ اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کردے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینہ میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

## زرِتعاون الرسالہ

| ہندستان کے لیے | | بیرونی ممالک کے لیے | (ہوائی ڈاک) | (بحری ڈاک) |
|---|---|---|---|---|
| ایک سال | Rs 70 | ایک سال | $20 / £10 | $10 / £5 |
| دو سال | Rs 135 | دو سال | $35 / £18 | $18 / £8 |
| تین سال | Rs 200 | تین سال | $50 / £25 | $25 / £12 |
| پانچ سال | Rs 300 | پانچ سال | $80 / £40 | $40 / £18 |
| خصوصی تعاون (سالانہ) | Rs 500 | خصوصی تعاون (سالانہ) | $100 / £50 | |

ڈاکٹر ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلیشر مسئول نے ہانس پرنٹنگ پریس دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ سی ۲۹ نظام الدین ویسٹ نئی دہلی سے شائع کیا

# تذکیر القرآن

جلد اوّل : سورۃ فاتحہ۔ سورۃ بنی اسرائیل
جلد دوم : سورۃ الکہف۔ سورۃ الناس

قرآن کی بے شمار تفسیریں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں۔ مگر تذکیر القرآن اپنی نوعیت کی پہلی تفسیر ہے۔ تذکیر القرآن میں قرآن کے اساسی مضمون اور اس کے بنیادی مقصد کو مرکز توجہ بنایا گیا ہے۔ جزئی مسائل اور معلوماتی تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے اس میں قرآن کے اصل پیغام کو کھولا گیا ہے اور عصری اسلوب میں اس کے دعوتی اور تذکیری پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تذکیر القرآن عوام و خواص دونوں کے لیے یکساں طور پر مفید ہے۔ وہ طالبینِ قرآن کے لیے فہم قرآن کی کنجی ہے۔

مکتبہ الرسالہ، نئی دہلی

# عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

| | |
|---|---|
| اردو | |
| تذکیر القرآن جلد اول | 200/- |
| تذکیر القرآن جلد دوم | 200/- |
| اللہ اکبر | 45/- |
| پیغمبر انقلاب | 40/- |
| مذہب اور جدید چیلنج | 45/- |
| عظمت قرآن | 30/- |
| عظمت اسلام | - |
| عظمت صحابہ | 7/- |
| دین کامل | 50/- |
| الاسلام | 40/- |
| ظہور اسلام | 40/- |
| اسلامی زندگی | 25/- |
| احیاء اسلام | 20/- |
| رازحیات | 50/- |
| صراط مستقیم | 40/- |
| خاتون اسلام | 50/- |
| سوشلزم اور اسلام | 40/- |
| اسلام اور عصر حاضر | 30/- |
| الربانیہ | 40/- |
| کاروان ملت | 45/- |
| حقیقت حج | 30/- |
| اسلامی تعلیمات | 25/- |
| اسلام دور جدید کا خالق | 25/- |
| حدیث رسول | — |
| سفرنامہ (غیر ملکی اسفار) | 85/- |
| میوات کا سفر | 35/- |
| قیادت نامہ | |
| راہ عمل | 25/- |
| تعبیر کی غلطی | 50/- |
| دین کی سیاسی تعبیر | 20/- |
| اقوال حکمت | 20/- |
| ڈائری جلد اول | — |
| ڈائری جلد دوم | — |
| سفرنامہ (ملکی اسفار) | — |

| | |
|---|---|
| انوار حکمت | - |
| تعمیر کی طرف | 8/- |
| تبلیغی تحریک | 20/- |
| تجدید دین | 20/- |
| عقلیات اسلام | 30/- |
| مذہب اور سائنس | - |
| قرآن کا مطلوب انسان | 8/- |
| دین کیا ہے | 5/- |
| اسلام دین فطرت | 7/- |
| تعمیر ملت | 6/- |
| تاریخ کا سبق | 7/- |
| فسادات کا مسئلہ | 5/- |
| انسان اپنے آپ کو پہچان | 5/- |
| تعارف اسلام | 5/- |
| اسلام پندرہویں صدی میں | 5/- |
| راہیں بند نہیں | 7/- |
| ایمانی طاقت | 7/- |
| اتحاد ملت | 7/- |
| سبق آموز واقعات | 7/- |
| زلزلۂ قیامت | 10/- |
| حقیقت کی تلاش | 7/- |
| پیغمبر اسلام | 5/- |
| آخری سفر | 7/- |
| اسلامی دعوت | 7/- |
| خدا اور انسان | 7/- |
| حل یہاں ہے | 10/- |
| سچا راستہ | 5/- |
| دینی تعلیم | 7/- |
| حیات طیبہ | 7/- |
| باغ جنت | 7/- |
| نار جہنم | 7/- |
| خلیج ڈائری | 10/- |
| رہنمائے حیات | 7/- |
| شخصیات اسلام | - |
| تعدد ازدواج | 3/- |

| | |
|---|---|
| روشن مستقبل | 7/- |
| صوم رمضان | 7/- |
| علم کلام | 7/- |
| صداقت اسلام | - |
| علماء اور دور جدید | 8/- |
| ہندستانی مسلمان | 7/- |
| سیرت رسول | - |
| ہندستان آزادی کے بعد | 3/- |
| مارکسزم تاریخ جس کو رد کر چکی ہے | 8/- |
| سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ | 7/- |
| اسلام کا تعارف | 4/- |
| ہندی | 2/- |
| سچائی کی تلاش | |
| انسان اپنے آپ کو پہچان | 6/- |
| پیغمبر اسلام | 3/- |
| عربی | 3/- |
| الاسلام یتحدی | 85/- |
| الاسلام والعصر الحدیث | - |
| منزل کی اور | |
| آڈیو کیسٹ | |
| A-1 حقیقت ایمان | 25/- |
| A-2 حقیقت نماز | 25/- |
| A-3 حقیقت روزہ | 25/- |
| A-4 حقیقت زکوٰۃ | 25/- |
| A-5 حقیقت حج | 25/- |
| A-6 سنت رسول | 25/- |
| A-7 میدان عمل | 25/- |
| A-8 پیغمبرانہ رہنمائی | 25/- |
| A-9 اسلامی دعوت کے جدید امکانات | 25/- |
| A-10 اسلامی اخلاق | 25/- |
| A-11 اتحاد ملت | 25/- |
| A-12 تعمیر ملت | 25/- |
| A-13 نصیحت لقمان | 25/- |

| | |
|---|---|
| A-14 متفرق سورتیں ۱ | 30/- |
| A-15 متفرق سورتیں ۲ | 30/- |
| A-16 متفرق سورتیں ۳ | 30/- |
| ویڈیو کیسٹ | |
| V-1 پیغمبر انقلاب | 200/- |
| V-2 اسلام داعی امن | 200/- |
| V-3 اسلام دور جدید کا خالق | – |
| V-4 امت مسلمہ اور جدید چیلنج | – |
| V-5 اسلام اور سماجی انصاف | – |
| V-6 اسلام اور دور حاضر | – |
| God Arises | Rs 85/- |
| Muhammad The Prophet of Revolution | 85/- |
| Islam As It is | 40/- |
| God Oriented Life | 60/- |
| Words of the Prophet | – |
| Indian Muslims (Hb) | 145/- |
| Indian Muslims (Pb) | 55/- |
| Introducing Islam | – |
| Religion and Science | 30/- |
| Tabligh Movement | 20/- |
| Islam the Voice of Human Nature | - |
| Islam the Creator of Modern Age | - |
| The Way of Find God | 6/- |
| The Teachings of Islam | 7/- |
| The Good Life | 7/- |
| The Garden of Paradise | 7/- |
| The Fire of Hell | 7/- |
| Man Know Thyself! | 4/- |
| Muhammad The Ideal Character | 6/- |
| Polygamy and Islam | 3/- |
| Words of Wisdom | – |
| فائل الرسالہ اردو (مجلد) | |
| سال 1982 | 100/- |
| 1985 | 100/- |
| 1986 | 100/- |
| 1987 | 100/- |
| 1988 | 100/- |
| 1989 | 100/- |
| 1990 | 100/- |
| 1991 | 100/- |
| فائل الرسالہ انگریزی (مجلد) | |
| 1984 تا 1991 | 100/- فی جلد |
| فائل الرسالہ ہندی (مجلد) | |
| 1990-91 | 100/- |

AL-RISALA BOOK CENTRE
1, NIZAMUDDIN WEST MARKET, NEW DELHI 110 013 Tel 4697333, 611128, Fax 4631891

Delhi Postal Regd No. DL/11154/93